٧٨٦

اليوم اكملت لكم دينكم
آج ہم نے تمہاری شریعت مکمّل کر دی

بعونہٖ تعالیٰ

براہینِ نیّرہ حصّہ اوّل

المعروف بہ

زندہ اور کامل الہام

مصنّفہ خواجہ کمال الدّین صاحب مسلم مشنری ایڈیٹر اسلامک ریویو
مجریّہ لنڈن۔

اِس کتاب میں قرآن کو کل کتب مقدّسہ سابقہ کے مقابل ایک زندہ کامل اور خاتم الہام ثابت کر کے تہذیب و تمدّن انسان کے لئے قرآن کی ضرورت دکھلائی گئی ہے۔

سنہ ١٩١٥ء

مطبوعہ حمیدیہ سٹیم پریس لاہور

صِحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۸	رہی	ہی
۱۱	۹	اصطراری	اضطراری
۱۷	۱۰	وقت	دِقّت
۱۹	۱۰	پیدار	پیداوار
۲۲	۹	پہنچانے	پہنچائیے
۳۳	۱۳	منظور	متصوّر
۳۸	۲	توں	تو
۳۹	۱۰	اندھادھن	اندھادُھند
۴۵	۲	آئے	آئی
۶۸	۲	ارخود	ازخود
۶۸	۴	دے	دیئے
۷۵	۱	دنیاداری ہو	مادری زبان ہو

سبب تالیف کتاب

قرآن اور تہذیب

مَیں نے انگلستان سے واپس آکر نو تعلیم یافتہ مسلم اصحاب میں ایک خاص مذہبی بیداری پائی۔ مذہب سے وہ وحشت یا بے تعلقی جو اس جماعت میں پہلے تھی وُہ مجھے اب مفقود ہوتی نظر آئی۔ مُجھے اِس کی وجہ یہی نظر آئی۔ کہ ہمارا سابقہ مذہبی لٹریچر اِن تعلیم یافتہ اصحاب کے مطالبات عقلیہ کو پُورا نہ کرتا تھا۔ اب جو کچھ بہ سوسائے اسلامی حقائق اُنکے مذاق و تربیت کے مطابق اُن کے سامنے رکھے گئے تو اُنھیں تسلیم کرنا پڑا۔ کہ وہی مضمُون جسے وہ خشک اور بے لذّت سمجھے ہوئے تھے وہی در اصل تمام علمی عقلی دلچسپیوں کا مُوجب ہو سکتا ہے۔ بالمقابل اسلام کے خلاف آریہ سماجک لٹریچر کی سابقہ نوعیت سے بھی اب خود سُلجھی سماجک طبیعتیں کچھ متنفّر سی ہو رہی ہیں۔ سب وشتم آخر دلوں کو تھکا ہی دیتی ہیں مَیں نے اپنے ہندوستان کے سفروں میں دیکھا۔ کہ ہندو کمیونٹی میں بھی ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے۔ جو علمی حقائق کی قدر دانی کرنے کو طیّار ہے۔ ان دو باتوں نے مجھے اس کتاب کی تصنیف پر آمادہ کیا جس کا پہلا حصّہ یہ اوراق ہیں۔ میری اس کتاب کا موضوع در اصل قرآن اور تہذیب ہے۔ مجھے قرآن پر غور کرنے سے یہی نظر آیا۔ کہ الہام الٰہی کی اصل غرض **تہذیب و فلاح انسانی** ہے۔ وید۔ انجیل۔ توریت۔ زبور اور دیگر الہامی کتب ہر قوم و مُلک میں اسی ایک غرض کے لیئے بتدریج نازل ہوئی۔ ہاں جب نسلِ انسانی ایک خاص حالت پر پُہنچ گئی۔ تو اِن سب کتب کی خاتم اور جامع کتاب قرآن کی شکل میں اُتری ✣

براہین نیرّہ کا یہ حصّہ زیادہ تر تو قرآن اور دیگر کتب مقدّسہ کی متقابلہ حیثیت پر بحث کرتا ہے۔ اور یہ دکھلاتا ہے۔ کہ کیوں اِن کتب سابقہ کی بعد قرآن ایک ناطق اور خاتم الہام ہو کر نازل ہوا لیکن اسی حِصّہ میں موضوع کتاب یعنی تہذیب و قرآن کو بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ اِسی مضمُون پر اِس کتاب کے آئندہ حصص بعونہ تعالےٰ لکھے جاویں گے۔ اِس مضمُون پر جامع بحث کرنے کے لیئے اُن اصُولہائے تہذیب و تمدّن کو زیر نظر رکھ لیا گیا ہے۔ جو فضلاء مغرب کے دماغوں کا نچوڑ ہیں۔ اور جن کو اسی حصّہ کتاب میں جمع کر دیا گیا۔ اور اُن اصولوں کی صحت اور عدم صحت پر ایک محققانہ بحث کے بعد قرآن کریم کے اصول پیش کئے گئے۔ اِس کتاب کی تکمیل اُس علیم حکیم خدا کے اختیار ہے۔ جس نے اپنی کتاب کو علم و حکمت کا معدن کیا۔ اُس کی عطا کردہ روشنی سے انسان قرآن کے معارف عالیہ تک پُہنچ سکتا ہے۔ اور اُسی کی جناب میں عرض ہے کہ وہ مجھے اِس ارادہ کی تکمیل کی توفیق دے ✣

فہرست مضامین سے اس حصہ کے مطالب پر کتاب کے پڑھنے والے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

لیکن دوسرا حصہ جو شاید دو تین ماہ میں نکلے۔ اُس میں مطالب ذیل پر بحث کی جاوے گی:۔
تہذیب کے لیئے انسانی قوائے و استعداد کی تحقیق و تعیین۔ قدیم و جدید فلسفہ کی رائے انسانی استعداد پر۔ قدما نے انسان کو ذلیل ترین مخلوق سمجھا۔ شرک کی بنیاد۔ اس غلط حقیقت سے مذاہب باطلہ پیدا ہوئے۔ مثلاً مسئلہ نروان۔ تناسخ۔ کفارہ۔ بعض متصوفین پر ان باتوں کا اثر۔ عامہ زندگی اور تمدن پر ان خیالات کا اثر بد۔ انسانی استعداد پر جدید فلسفہ کی تحقیق۔ ریشنلزم۔ مسئلہ ارتقا (ایولیوشن)۔ قرآن اور مسئلہ ارتقا۔ جس طرح قدیم فلسفہ سے شرک پیدا ہوا اُسی طرح جدید فلسفہ سے دہریت پیدا ہوئی۔ قرآن نے صحیح علم استعداد انسانی کا دیا۔ قرآن نے انسانی استعدادوں کو نشوونما دینے کے صحیح طریق بتلائے۔ یہی ساری غرض تہذیب انسانی کی تھی۔
تہذیب کے دُوسرے بنیادی اصول محققۂ یورپ۔ اُس پر قرآنی تنقید۔ کائنات پر قانون یعنے شریعت کی حکومت۔ یہ راز قرآن نے کھولا۔ اسی راز کا انکشاف کل علوم جدید کی تحقیق و تکمیل کا موجب ہوا۔ عیسائی مذہب اور شریعت۔ مذہب کائنات شریعت ہے۔ نیچر کا مذہب اور اسلام۔ تہذیب و تمدن کے لیئے قرآن میں ایک مکمل کوڈ قرآن کی جامعیت۔ قرآن کا اس رنگ میں خاتم الہام ہونا وغیرہ وغیرہ*

خواجہ کمال الدین

عزیز منزل۔ نولکھا۔

لاھور

فہرست مضامین مندرجہ براہین نیرہ حصہ اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہاری شریعت مکمل کر دی۔ اور اپنی نعمت تمہیں پوری دیدی۔ اور اسلام تمہارے لئے دین پسند کیا

براہین نیرہ

حصہ اول

قرآن ایک خاتم۔ ناطق اور عالمگیر الہام ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

قرآن کریم کی یہ پہلی آیتیں ہیں۔ جن میں چار صفات الٰہیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل یہ آیات کل معرفتوں اور گیانوں کی روح رواں ہیں۔ ان میں ان تمام امورات کا جواب شافی ہے۔ جو اس وقت ایک مذہب دوسرے کے

خلاف پیش کرتا ہے۔ دنیا میں جس قدر عقاید فاسدہ پھیل رہے ہیں۔ وہ درحقیقت اُس غلط معرفت کا نتیجہ ہیں۔ جو صفات باری کے متعلق دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ بیشک کسی غلط عقیدہ یا بدعملی کی تنقیح کر لی جاوے۔ اس کا باعث وہی عملی یا علمی انکار نظر آئیگا۔ جو کسی شخص نے کسی نہ کسی صفات باری کے متعلق کر رکھا ہے۔ مثلاً یہ امر بدیہہ ہے۔ کہ کسی بدی یا گناہ کا ارتکاب تنہائی کو چاہتا ہے۔ انسان فطرتاً امور شنیعہ کو دوسرے کی نگاہ سے چھپانا چاہتا ہے۔ کوئی بدکار کسی دوسرے کی موجودگی میں فعل بد کی جرأت نہیں کرتا اسی طرح اگر ہم اللہ تعالیٰ کو فی الواقع حاضر ناظر جانیں۔ تو پھر ہم کس طرح کسی بدی کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ گویا گناہ کا ارتکاب خدا تعالیٰ کی صفت حاضر ناظر کا عملی انکار ہے۔ ہم نے جہاں تک مسایل مختصہ مذاہب مختلفہ کی تحقیق و تنقید کی۔ ہم نے تو یہی دیکھا۔ کہ صفات باری کے متعلّق صحیح علم کی کمی نے یہ سب اختلاف دنیا میں پیدا کر رکھے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے سب سے اول دنیا کو صفات الہیہ کا صحیح علم دیا۔ اور ابتداء میں چار ایسے جامع صفات کا ذکر کر دیا۔ کہ جس کے صحیح مفہوم پر قادر ہو جانے سے کل عقاید باطلہ اور اعمال رذیلہ کا قلع قمع ہو جاتا ہے ◆

عالمگیر الہام کے مدعی

اس وقت ہر ایک مذہب و ملت والا اپنی کتاب یا اپنے طریق کو کل دُنیا کے لئے مکتفی سمجھتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وید ایک کامل ناطق اور عالمگیر الہام ہے۔ اور اس کی موجودگی میں کسی قوم کو یا نوع انسان کی کسی شاخ کو نزول وید پر یا اس کے بعد کبھی کسی اور

الہام کی ضرورت نہیں ہوئی۔ یہ ایک دعویٰ ہے۔ جو وید پر کیا منحصر ہے۔ اس وقت ہر اہل کتاب کی زبان پر اپنی اپنی الہامی کتاب کے متعلق جاری ہے۔ در اصل ہر ایک قوم نے اس امر کو تسلیم کر لینے پر بھی کہ الہام محض فیض ربوبیت ہے۔ الہام کے معاملہ میں سخت تنگ دلی دکھلائی ہے۔ ہر ایک کا یہی دعویٰ ہے۔ کہ اُسی کی کتاب مقدس الہٰی الہام ہے۔ اور اُسی کے بزرگ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ لوگ تھے۔ اور باقی کل دنیا کے لوگ یا تو اُس کے بنائے ہوئے نہ تھے۔ یا وہ اس قابل ہی نہ تھے۔ کہ خدا تعالیٰ انہیں مورد الہام ٹھیراتا۔ در اصل یہ خیال ہر ایک قوم میں اس سبب سے پیدا ہوا۔ کہ تمام کے تمام الہامات قدیمہ ایسے وقت دنیا میں نازل ہوئے۔ جب ایک ملک دوسرے ملک سے اور ایک قوم دوسری قوم سے ناواقف تھی۔ یہی حال اس ملک ہندوستان کا بھی تھا۔ اور اسی بات کا نتیجہ آج یہ ہے۔ کہ اہل ہنود میں سے خصوصاً ایک گروہ نے یہ اعلان کر رکھا ہے۔ کہ وید مقدس کے ماسوا اور کسی قوم نے الہام کی صورت ہی نہیں دیکھی۔ لیکن ایسے مدعی نے کبھی یہ خیال نہ کیا۔ کہ اگر الہام انسان کی روحانی پرورش کے لئے محض بہ تقضاء ربوبیت نازل ہوا۔ تو وہ خدا جس نے انسان کی جسمانی ربوبیت کے سامان مہیا کرنے میں کسی خاص قوم کے ساتھ طرف داری نہ کی تو پھر وہ روحانیت میں کیوں کسی خاص قوم یا ملک کی جنبہ داری کرے ؟

خدا رب العالمین ہے

کیا کل دنیا کے باشندے اس کے پیدا کردہ نہیں۔ کیا ہر ایک انسان کو خواہ وہ کسی قوم کا ممبر ہو۔ اس نے یکساں قوائے نہیں بخشے۔ کیا خدا کی زمین خدا کا آسمان۔ خدا کے ستارے۔ اس کا سورج۔ چاند یا دل ہوا۔ اس کا کرہ ہوائی۔ اُس کا سمندر۔ اس کے درخت کل نوع انسان کے یکساں طور پر خادم نہیں؟ الغرض کونسی چیز ہے۔ جو ہمارے جسم کی پرورش اور قیام کے لئے تو ضروری ہو۔ اور اس رحمان نے ہر ایک انسان کو بلا امتیاز ملک و قوم عطا نہیں کی تو پھر وہ الہام جس نے ہماری روح کی پرورش کرنی تھی۔ اور جس کی صحت پر صحتِ جسم منحصر ہے۔ اس کے عطا کرنے میں خدا کیوں ایک قوم کے ساتھ پکش پات (طرفداری) کر کے باقی تمام عالم کو محروم کرنے لگا۔ کیا آریہ قوم کے بزرگوں کی کوئی خاص خدمت خدا کی نگاہ میں پسندیدہ تھی۔ یا اُن کا کوئی خاص حق اُس پر تھا۔ کہ جس کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک ناطق الہام کے لئے اس قوم کو کل عالم پر ترجیح دی۔ کیا وہ مظاہر قدرت جن کی مہما میں آرین رشیوں نے گیت گائے۔ وہ آریہ ورت سے باہر ظاہر نہیں ہوئے۔ کیا وہ اگنی جس کا روپ حسب تعلیم وید۔ زمین پر آگ نے حیوانات نباتات میں حرارت غریزی نے۔ خلا میں بجلی نے اور آسمان پر سورج نے لے رکھا ہے۔ کیا اس کے عجائبات سے کوئی قطعہ زمین کا خالی ہے! کیا وہ بارشیں جن کے لئے وید میں اندر کی مہما کی جاتی ہے۔ اور جس پر بالفاظ رگ وید اندر مہاراج ورترا یعنی بادلوں سے جنگ کر کے ورترا پر اپنا بجر چلاتے

ہیں۔ اور اس پرگائے کے دودھ کی طرح اکاش سے قطرات بارش
اُتر کر آریہ ورت کے کھیت سرسبز کرتے ہیں۔ اُس بارش سے کونسی سر
زمین ہے۔ جو محروم رہتی ہے ؟ کیا کرہ ہوائی پر حکومت کرنے والا وایو
جس نے برہما ورت کے منتر سن کر کرّہ ہوائی سے اس ملک کو مستفید
کرتا تھا۔ وہ دوسروں کو اس فیض سے مستفیض نہیں کرتا۔ وہ سریا
جس کا مظہر اعظم سورج ہے۔ اور جس کی مختلف کیفیتوں کے لحاظ سے
رشیوں نے اُسے وشنو۔ متر۔ ورونا۔ اریمان۔ پشان۔ بھاگا۔ تواشتر وغیرہ
کہہ کر پکارا۔ کونسی قوم ہے۔ جو اُس کے نور کی شعاعوں سے منور نہیں
ہوتی ؟

اگر وید منتروں کے پڑھنے والے۔ ان منتروں اور سکتوں کو پڑھ
کر اور مختلف قسم کے یگ اور قربانیاں کر کے اپنے معبودوں سے
کھیتوں کی سرسبزی۔ بارشوں کا وقت پر آنا۔ مویشیوں اور گھوڑوں کی
کثرت۔ گئوؤں کا دودھیلن ہونا۔ دشمنوں پر غالب آنا۔ اسروں یعنی
اصلی باشندگانِ ملک کو ملک سے نکال دینا مانگتے رہے۔ اور کہیں
کہیں عقل کی روشنی اور گناہوں سے بچنے کے لئے بھی خواست گار
ہوئے۔ تو بالمقابل وہ کونسا ملک یا کونسی قوم ہے جہاں ان چیزوں
کی ضرورت نہیں تھی۔ اور جہاں ان چیزوں کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھائے
گئے۔ اور جہاں یہ چیزیں وید منتروں کے نازل ہونے یا ان کے
پڑھے جانے کے بغیر خدا تعالیٰ نے عطا نہیں کیں۔ اور اگر انہیں

چیزوں کے لئے الہام کی ضرورت تھی۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ وہ آریہ ورت کے سوا کہیں نہیں آیا۔ تو پھر وہ نتیجہ تو الہام کے
بغیر بھی حاصل تھا *

الہام سے کوئی قوم خالی نہیں رہی

الغرض صحیفہ قدرت پر نگاہ ڈالنے سے خود
بخود ہی اس عقیدہ کا بطلان ہوتا جاتا ہے۔ کہ ایسے وقت میں جب
ایک قوم کو دوسری قوم کی خبر نہ ہو۔ خدا تعالیٰ ایک ہی قوم کو مورد الہام
ٹھیرا کر باقی کل قوموں کو اس فیض ربوبیت سے محروم رکھے۔ لیکن پھر
بھی ہر ایک قوم جس نے قدیم ایام میں دعویٰ الہام کیا۔ اس تنگ
دلی اور تنگ خیالی سے باہر نہ نکل سکی۔ جب تک قرآن کریم نے نازل
ہو کر ایک ہی جملہ میں اس تنگ ظرفی کا خاتمہ نہ کیا۔ اُس نے اَلْحَمْدُ
لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا اعلان کر کے اُس اللہ کی تعریف کی۔ جو رب
آریہ ورت یا رب ایران یا رب شام یا رب عرب ہی نہ تھا۔ بلکہ
وہ اللہ کل عالمین کا رب تھا۔ اور ہے۔ جو ہر ایک ملک کی ربوبیت
یکساں کرتا ہے۔ جس نے جسمانی ربوبیت کے سامان جس طرح ہر ایک کو
محض بہ تقاضاء صفت ربوبیت عطا کئے۔ اُس نے ویسے ہی رُوحانی تربیت کے
سامان سے بھی کسی ملک یا قوم یا بستی کو خالی نہیں رکھا۔ یہ وہ مبارک
تعلیم ہے۔ کہ جس پر چل کر ہم کسی ہمسایہ قوم کو حقارت سے نہیں دیکھ
سکتے۔ نہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے مقابل پر الہام سے محروم رہی

قرآن کی فیاضانہ تعلیم

قرآن کریم نے اس صداقت کو اور مواقع پر بھی کھول

کھول کر بیان کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَ اِنْ مِنْ اُمَّتِہٖ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۝
لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ۝ لِکُلِّ اُمَّتِہٖ رَّسُوْل۔ حسب تعلیم قرآن دنیا میں کوئی جماعت
کوئی قوم۔ کوئی امّت ایسی نہیں ہوئی۔ جہاں خدا کی طرف سے ڈرانے
والا۔ خدا کی طرف سے ہدایت لانے والا۔ خدا کا پیغام پہنچانیوالا
نہ آیا ہو۔ یہ کیسی پر امن اور سلامت روی کی تعلیم ہے۔ کہ جس سے
تمام تنازعات باہمی ایک حد تک مٹ جاتے ہیں۔ اس کے ماتحت
قرآن کریم پر ایمان لانے والا اس بات کا پابند ہے۔ کہ وہ سب
قوموں کے ہر ایسے بزرگ اور راہنما کو عظمت اور عزت کی نگاہ سے
دیکھے۔ کہ جس کی تعلیم اور جس کی طرز زندگی موحدانہ رنگ رکھتی ہو۔
ایسا ہی ہر ایسی کتاب کو جسے کسی قوم نے زمانہ دراز سے الہامی سمجھا
اُسے مقدس جانے۔ بشرطیکہ وہ نور و ہدایت سے خالی نہ ہو۔ ہاں اس
کا وہ حصّہ جو خلاف تعلیم قرآن کریم اُسے معلوم ہو۔ اسے محرف مبدل
سمجھے یا یہ سمجھے کہ جو اُن کے معنے کیئے گئے ہیں۔ وہ غلط کیئے جاتے
ہیں۔ آخر یہی عقیدہ مروجّہ توریت و انجیل کے متعلق ہم مسلمانوں کا
ہے۔ یہی وہ اصول قرآن کریم نے تعلیم کیا ہے۔ کہ جس کی ضرورت
اس وقت اہل ہندوستان کو اس مذہبی طوایف الملوکی میں ہے۔ اسی
ایک مبارک عقیدہ سے مختلف العقاید اقوام میں ایک قسم کی ہم آہنگی
پیدا ہو سکتی ہے۔ اور یہی وہ اصل ہے۔ کہ جس کے ماتحت میں نے
وید کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور خیال کیا۔ کہ وید اپنی اصلی

شکل میں ضرور اس ملک کی ہدایت کے لئے آیا۔یہی قرآن کریم کی آیات میری نگاہ میں شری مہاراج کرشن۔رامچندر۔زرتشت۔بُدھ اور کانفیوشش کی عزت وتکریم پیدا کر دیتی ہیں۔اوراسی وجہ سے میں نے ہمیشہ انہیں اپنی اپنی قوم کے لئے ہادیان برحق سمجھا ہے *

ویدکی ترتیب کا وقت عالمگیر الہام کے لئے موزون نہیں تھا

الغرض الہام ایک فیضان ربوبیت ہے۔کہ جس سے کوئی قوم یا ملک خالی نہیں رہ سکتا لیکن کہا جاتا ہے۔کہ یہ کیا ضروری ہے۔کہ الہام الٰہی بار بار ہو اور مختلف جگھوں پر ہو۔کیوں نہ وہ رب العالمین قدیم سے ہی ایک جگہ الہام نازل فرماکر اُسی ایک الہام سے کل عالمین کو مستفید کرے یہ امر بالکل صحیح اور قرین قیاس توہے۔لیکن سوال صرف اس قدر ہے کہ ایسا عالمگیر الہام کس وقت دنیا میں نازل ہونا چاہئے۔آیا ایسے وقت جب ایک قوم کو دوسری قوم کی اور ایک ملک کو دوسرے ملک تک کی اطلاع نہ ہو۔ایسے وقتوں میں کسی عالمگیر الہام کا نازل ہونا مقصد الہام کو ضایع کرنا ہے۔ہاں جب کل دنیا میں ایک قسم کی ہم آہنگی کا زمانہ پیدا ہو جاوے۔ایک قوم کو دوسری قوم کا علم ہو جاوے۔مختلف ممالک دنیا میں آمد رفت یا رسل رسایل کے ذرایع نکل آویں ایسے وقت پر یا ایسے زمانہ کے آغاز میں ایک عالمگیر الہام کا نازل ہونا ازبس ضروری ہے۔یعنی جب دنیوی تمدن کل انسانوں کو اکٹھا کردے توکیوں روحانی تمدن ان میں یگانگت اور وحدت پیدا نہ کرے۔لیکن

جب تک دنیا میں یہ عالم گیر میل جول نہ پیدا ہو۔ کل دنیا کے لئے ایک ہی ناطق الہام موزوں نہیں ہو سکتا۔ اس ایک ہی وجہ پر ہمیں تامل ہے۔ کہ ہم وید کو ایک عالمگیر الہام تسلیم کریں ؂

کسی کتاب کی قدامت اُس کے عالمگیر ہونے کی دلیل نہیں

یہ ایک بدیہہ امر ہے۔ لیکن پھر بھی اس ملک میں ایک گروہ کا دعویٰ ہے۔ کہ وید ایک کامل اور عالمگیر الہام ہے۔ جو ابتداءِ آفرینش میں کل دنیا کے لئے نازل ہُوا۔ اور اس دعوی کے ثبوت میں یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ وید ایک قدیمی الہام ہے اسلئے اسی کا حق ہے کہ یہ کتاب عالمگیر الہام ہونے کا دعویٰ کرے ؂

اول تو یہ امر بذات خود فیصلہ طلب ہے۔ کہ سب سے قدیم الہام کس کتاب کی شکل میں نازل ہُوا۔ محققین فرنگ کے نزدیک عہد عتیق کے بعض صحایف تدوین وید سے پہلے مرتب ہوئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مسیح سے صرف ایک ہزار برس پہلے وید کے قدیمی سے قدیمی منتروں نے ترتیب کی شکل دیکھی۔ حالانکہ خمس موسیٰ مسیح سے تیرہ چوداں سو برس پہلے کا ہے۔ لیکن اگر وید کے پرستار اُس کی قدامت کروڑوں برس تک پہنچاتے ہیں۔ تو ژند واستا والے دھاسنگھ پربھی ستاراں صفر اور بڑھا کر اپنی کتاب کی تاریخ بتلاتے ہیں۔ زبانی دعویٰ کے سوا کس کی مجال ہے۔ کہ کوئی محققانہ مورخانہ ثبوت اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرے چلو ہم مان لیتے ہیں۔ کہ وید ہی قدیم الہام سہی۔ لیکن کیا اس سے یہ بھی ساتھ ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ وید سے کل زمین کے باشندے

مستفید ہوئے۔ اگر ربّ العٰلمین کو یہی منظور ہوتا۔ کہ کل دُنیا وید کے سرچشمہ سے سیراب ہو۔ تو ضرور تھا۔ کہ وہ اس سرچشمہ کی شاخیں کل دنیا میں پھیلا دیتا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے۔ کہ یہ سرچشمہ جس گھر سے نکلا۔ اس گھر کو بھی پورے طور سے سیراب نہ کر سکا +

وید نے دعویٰ عالم گیر نہیں کیا

اوّل تو وید نے خود کہیں اس قسم کے عالم گیر الہام ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ کسی وید بھاسکر نے وید میں کوئی اس قسم کی تعلیم دیکھی۔ و الّا یہ کب ممکن تھا۔ کہ قدیم مہاتما اس پر عامل نہ ہوتے۔ جہاں تک ہم نے وید کے مشہور تراجم دیکھے۔ ہمیں تو ایک شرتی ایسی نظر نہیں آئی۔ کہ جس سے بالتصریح وید کی عالم گیر دعوت نظر آئے +

رہا۔ یجر وید کی کوئی مفروضہ شرتی جو کل وید بھاسکروں میں سب سے پہلے دیانند جی مہاراج کو سمجھ آئی۔ اور جس میں بقول دیانند جی حکم ہوتا ہے۔ کہ وید سب کے لئے ہے۔ اول تو اس کے معنے بالکل بدیہہ ہیں وید ایک الہام الٰہی تھا۔ جو ہندوستان میں ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے نازل ہؤا۔ خاص برہمنوں کے لئے یہ کتاب مخصوص نہ تھی۔ بلکہ برہمن۔ چھتری۔ ویش یہ کتاب سب کے لئے واجب العمل تھی۔ لیکن اس صاف شرتی کے یہ معنی کرنا کہ وید کل اقوام عالم کے لئے ہے۔ یہ محض ایک خوش فہمی ہے۔ اور اُس عملی عقیدہ کے خلاف ہے۔ جو ہزاروں برس اس ملک کا رہا۔ یہ مانا کہ ہمیں سنسکرت سے چنداں واقفیّت نہیں۔ اور

تراجم انگریزی سے اس کے غوامض کو سمجھنا شاید مشکل ہو۔ لیکن کیا آج پچاس ساٹھ برس پہلے کسی نے بھی اس شرتی کے یہ معنے سمجھے۔ اگر ایسے معنے سمجھے جاتے۔ تو اس پر کیوں عمل نہ ہوتا۔ کیوں ہندوستان کی چاردیواری سے باہر وید کا پرچار نہ ہؤا۔ آخر وید کے پرستار احکام وید کو احکام الٰہی سمجھتے تھے۔ انہوں نے وید کو سب قوموں تک پہنچانے کا فرض کیوں اپنے سر سے نہ اُتارا۔ ہم تو برعکس اس کے یہاں عمل دیکھتے ہیں۔ خود باشندگان ہندوستان کا ایک گروہ وید کا کلام کیا۔ وید کی شکل دیکھنے سے بھی محروم رہا ایک شودر۔ برہمن کے منہ سے بھی وید کو سن کر بقول منوجی واجب القتل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ شودر کا یہ فعلِ سماعت محض ایک فعل اضطراری ہوتا ہے۔ جب باشندگان ہندوستان کا یہ حصّہ خود وید کو سنتے ہی واجب القتل ہو سکتا ہے۔ تو پھر ہندوستان کے باہر ملیچھوں اور راکھشوں کی کیا مجال ہے۔ کہ اُس گھر میں قدم رکھیں۔ کہ جہاں وید مقدس ہو۔ شودر گو ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ لیکن وہ ایک دوسری قوم کے تھے۔ وہ آریہ نہ تھی۔ بلکہ اصلی باشندگان ملک میں سے تھے۔ اس لئے وہ وید کی زیارت سے محروم رکھے گئے۔ برہمن مہاتموں کا یہ طریق عمل کہ اُنہوں نے وید کو اپنے گھر سے باہر نکلنے نہیں دیا۔ اور جو آریہ قوم میں سے نہ تھا۔ خواہ وہ ہندوستان کا ہی ہو۔ اُسے وید کی شکل تک نہ دیکھنے دیا۔ اس کے ساتھ تاریخ کا یہ ثبوت کہ وید ہندوستان سے باہر نہیں گیا۔ اس امر کی ایک ناطق دلیل ہے۔ کہ وید ہندوستان سے باہر والوں

کے لئے نہ تھا۔ اگر وید خدا کی طرف سے کل دنیا کے لئے تھا۔ تو کیوں خدا تعالیٰ نے کل دنیا میں اُس کی اشاعت کے سامان پیدا نہ کئے۔ کیوں اُس کے مشیت پر برہمنوں کی منشاء غالب آ گئی۔ اور اب اگر وید کے سوا اُس نے اور قوموں کو الہام نہیں کیا۔ تو کیا۔ اُس کی ربوبیت عامہ اور قادریت پر معاذ اللہ ایک سیاہ داغ نہیں آ جاتا۔ اوّل تو رب العالمین الہام ایک ہی قوم میں بھیجے۔ اور پھر کروڑوں برس تک اُس قوم کے انسان اس کے عالم گیر منشا کو پورا نہ ہونے دیں۔ اور اس کے کلام سے ہندوستان سے بیرونی دنیا کو محروم رکھیں اور آج پچاس ساٹھ سال کے اندر اندر ایک انسان کو خدا کی اس منشا کا پتہ پھر وید میں لگے۔ خصوصاً ایسے وقت جبکہ دنیا کا خاتمہ بھی کل مذاہب کے نزدیک قریب ہو گیا ہو۔ اور پھر خود اس کے اصلی وارثوں کو خدا تعالیٰ اس کے اصلی معارف سے گذشتہ پانچ ہزار برس میں بالکل نا واقف رکھے۔ کیونکہ بقول دیانند جی کورو چھیتر کے جنگ کے بعد پھر دیانند جی مہاراج ہی وید کے علوم حقہ سے آگاہ کئے گئے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں۔ کہ در اصل جن کا کوئی جواب نہیں ٭

قرآن کی عالم گیر اشاعت دیکھو بالمقابل قرآن شریف کے ذریعہ خدا تعالے نے کل دنیا کی تربیت کرنی چاہی۔ لہٰذا اس نے قرآن کو لفظ رب العالمین سے ہی شروع کیا۔ اور پھر من رب العالمین یعنی رب العالمین کی طرف سے اس کا نازل ہونا ظاہر کر کے یہ ایک اشارہ کیا۔ کہ

اب اس کتاب کے ذریعہ صرف عرب یا شام یا ہند یا روم یا ایران کی ربوبیت روحانی نہیں ہوگی۔ جیسے کہ پہلی کتابوں کے ذریعہ خدا مختلف اقوام کی الگ الگ ربوبیت کرتا رہا۔ بلکہ وہ اب رب العالمین خدا عالمین کی ربوبیت اس کتاب کے ذریعہ کرے گا۔ اس لئے اس کتاب کا نام ذِکرًا لِلعَالَمِین رکھا۔ یعنی کل دنیا جہان کے لئے ذکر اور نصیحت۔ پھر اس کے پہلے مخاطب کو اسی لئے کہا۔ وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْن تُو تو کل دنیا کے لئے رحمت ہے۔ اور پھر فرمایا۔ تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا ۵ الغرض ایک طرف تو اعلان کیا۔ کہ اس کتاب کے ذریعہ عالم کی ربوبیت ہوگی۔ اور دوسری طرف ایسے سامان پیدا کر دئے۔ کہ تھوڑی دیر میں یہ کتاب معلومہ عالمین کے کناروں تک پہنچ گئی۔ اُس وقت معلومہ دنیا کا ایک کنارہ چین تھا۔ اور دوسرا اندلس و مراکش۔ اور مکہ بمنزلہ اُن کی ناف کے تھا۔ دیکھ لو قلیل وقت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع ہونے والی کتاب عالمین کے سروں تک پہنچ گئی۔ اور آج اس وقت وہ کتاب جس کی پہلی سورت رب العالمین کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ عالمین کے ہر حصہ میں۔ ہر منٹ۔ ہر لمحہ اور ہر دقیقہ پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ روئے زمین کے تمام ممالک میں اسلام ہے۔ اور اس کے ہر حصہ میں زمین گول ہونے کے باعث پانچوں وقت میں سے کوئی نہ کوئی نماز پڑھی جاتی ہے۔ جس میں سورۂ فاتحہ کا پڑھا جانا

ضروری ہے ؞

اب ہمارے آریہ دوست ٹھنڈے دل سے ان معاملات پر سوچیں ۔ اور غور کریں ۔ کہ اگر وید عالم گیر کتاب ہوتی ۔ تو وہ کل عالم میں پہنچ جاتی ؞

ایک اور امر آریہ اصحاب کے قابل توجہ ہے ۔ کہ جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ۔ وہ یہ ہے ۔ کہ وہ قرآن اور وید کے متقابلہ زمانہ نزول پر غور کریں ۔ اور پھر اُس تمدن دنیا کو دیکھیں ۔ جب یہ دونوں کتابیں دنیا میں نازل ہوئیں ۔ تو پھر اُن کو فوراً سمجھ آ جاوے گا ۔ کہ کونسی کتاب موقعہ اور وقت کے لحاظ سے عالم گیر بننے کے لئے پیدا ہوئی ؞

نزول قرآن کا وقت اس کی عالمگیری پر دلیل ہے

قرآن کریم کے ماقبل اور مابعد زمانہ پر اگر غور کیا جاوے ۔ تو نزول قرآن کا زمانہ اُس زمانہ کو ختم کرتا ہے ۔ جب ایک ملک کی دوسرے ملک کو اور ایک قوم کی دوسری قوم کو خبر نہ تھی ۔ اسی طرح قرآن آغاز پر اُس زمانے کے آتا ہے ۔ جب دنیا میں عالم گیر میل جول پیدا ہو گیا ۔ وید ایک ایسے زمانے سے تعلق رکھتا ہے ۔ جب ہر ایک ملک اپنے اپنے باشندگان کے لئے ایک کامل دنیا تھی ۔ ہر ایک ملک کے باشندے دوسرے ممالک سے نا آشنا ہونے کے باعث دوسروں کو انسان تک کا رتبہ دینا بھی پسند نہ کرتے تھے ۔ ہر ایک یہی سمجھا ہُوا تھا ۔ کہ وہ اور

اس کی قوم ہی خدا تعالیٰ کی خاص مخلوق ہے۔ کہ جس کی ربوبیت میں اس ذات پاک کی کل دلچسپیاں محدود ہیں۔ ایسے وقت میں اگر برہم ورت کے رہنے والوں نے اپنے آپ کو برہما کے منہ سے نکلا ہُوا اور غیر اقوام (شودر) کو اُس دیوتا کے پاؤں سے پامال ہوتے دیکھا۔ تو اسی طرح اسرائیل نے اپنی قوم کو ہی خدا کے بیٹے اور وارث جان کر باقی کل عالم کے باشندگان کو غلامی تک کا رتبہ دینا پسند نہ کیا۔ یہی وہ وقت تھا۔ کہ جب انسان نے جس طرح اپنے ملک کی پیداوار سے اور اپنی لوکل چیزوں سے دوسرے ممالک کو مستفید ہونا روا نہ رکھا۔ اور اپنے ملک کی اجناس کے برخلاف طرح طرح کے قیود لگا دیں۔ جس کا اثر ہم آج تک فری ٹریڈ کے خلاف دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک ملک نے کسی غیر قوم یا غیر ملک کے ہاتھوں کو اپنی الہامی کتاب کے چھوُنے کے قابل نہ سمجھا۔ برہمنوں نے اگر اوراق وید کو شودر کے سامنے کھولنے تک سے انکار کیا۔ تو مؤبدان فارس نے غیر ایرانیوں پر آتشکدے کے دروازے کو بند کر دیا۔ بنی اسرائیل نے اگر غیر مختونیوں کو نور سینا سے اندھیرے میں رکھنا چاہا۔ تو زیتونی پہاڑ کے مقدس گڈریے مسیح نے یہوواسے باہر کسی اور قوم کی گلہ بانی کرنے سے قطعی انکار کیا۔ الغرض یہ وہ وقت تھا۔ جب خدا تعالیٰ ہر ایک انسان کو اپنی ملک و قوم کا ہی رب نظر آیا۔ لیکن قرآن ایک ایسے وقت نازل ہُوا۔ جب کل دنیا آہستہ آہستہ ایک ہونے لگی۔ جب عالمگیر میل جول نے کل دُنیا کو ایک

ملک اور ممالک دُنیا کو بمنزلہ شہروں کے اور شہروں کو بمنزلہ محلوں کے کر دکھایا۔ اور ہر شخص کو نظر آنے لگا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنی ربوبیت عامہ سے کسی حصہ دنیا کو محروم نہیں کیا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی آخری کتاب نے بھی رب العالمین سے شروع ہو کر اس زمانہ کے قریب آ جانے کی پیشینگوئی کی۔ جب آہستہ آہستہ وہ خدا جو اہل ہند کو رب ہند اور اہل ایران کو رب ایران نظر آتا تھا۔ اب ہر ایک کو رب العالمین نظر آنے لگا۔ اس کتاب نے جہاں اس عالمگیر تعلقات کے زمانے کا پتہ دیا۔ وہاں یہ بھی بتایا۔ کہ جس طرح کل عالمین اب ایک ملک کے رنگ میں آ جاویں گے۔ اسی طرح اب رب العالمین ایک ہی کتاب کے ذریعہ کل عالم کی روحانی ربوبیت کرے گا۔ اگر وید یا کوئی اور کتاب قدیمہ کل دنیا کے لئے ہوتی۔ تو اس کے نزول پر بھی کل دنیا ایک ہو جاتی۔ اور کل روئے زمین پر میل جول پیدا ہو کر اس کتاب کو کل دنیا تک پہنچا دیا جاتا۔ یہ وہ باتیں ہیں۔ جو زمانہ کی کتاب نے اپنے صفحات پر واقعات کی جلی قلم سے لکھ دی ہیں۔ کیا۔ قرآن سے پہلے دنیا پر کوئی ایسا عالم گیر زمانہ گذرا۔ جس نے قریباً قریباً ہر ایک مشہور ملک میں کل دنیا کے باشندگان کو ایک جگہ اکٹھے اور جمع کر دیا ہو۔ کیا ایسے وقت کے لئے وحدت انسانی جو حقیقی امن و راحت کی ذمہ وار دنیا میں ہو سکتی ہے۔ ایک کامل کتاب کی متقاضی نہیں۔ مذہب ہی دنیا میں سچی خلت اور اخوت پیدا کر کے قومیت اور رنگ کی تمیز مٹا سکتا

ہے۔ آج گذشتہ چند سال سے جو دنیا میں کشت و خون ہو رہا ہے۔ اس کی ذمہ وار اگر قومیت۔ ملک اور رنگت کی تمیز نہیں۔ تو اور کونسی چیز ہے۔ ان خطرناک امتیازات کی بیخ کنی اگر ہو سکتی ہے۔ تو صرف ایک ایسی کتاب سے ہو سکتی ہے۔ جو کل اقوام عالم کے آگے ایک عالمگیر مذہب پیش کرکے ان کیلئے ایک قبلہ ایک پرستش گاہ ایک کعبہ قایم کرے۔ اُن کے مراسم اُن کے شعار۔ ان کے طریق خیال اُن کے نصب العین ان کے مطمح نظر میں یگانگت کا رنگ ہو۔ لیکن چونکہ اس عالمگیر میل جول سے پہلے کوئی بھی ایسی قوم نہ تھی۔ کہ جس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب خدا کی طرف سے نہ ہو۔ ضروری تھا۔ کہ اس عالمگیر میل جول پر ایک قوم دوسری قوم کی کتاب کو جھٹلاتی۔ ایک دوسرے کے مقابل سابقہ تعلیمات الہیہ کی تکذیب کرتی جیسے کہ آجکل چاروں طرف ہو رہا ہے۔ ان آپس کے مناقشات سے اصلی تعلیمات ربانی بھی ضایع ہو جاتیں۔ پھر ایک وقت اور بھی ہے کہ کسی قوم کی الہامی کتاب میں دوسری قوم کی کتاب کا ذکر اور اشارہ تک بھی نہیں۔ اور یہ ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ کتابیں ایک ایسے وقت کی ہیں۔ کہ جب ہر ایک قوم دوسری قوم سے ناواقف اور اجنبی تھی۔ ان سب کا علاج صرف یہی ہو سکتا تھا۔ کہ ایسے میل جول کے وقت کل عالمین کے لئے ایک ہی کتاب ہو۔ جو سب کتب سابقہ کی تصدیق کرے۔ اور اُنکی تعلیمات حقہ کی محافظ ہو جاوے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً +

اب ہم نے یہ کتاب بھیجدی ہے۔ کہ کل سابقہ کتب کی مصدق ہے۔ اُنکو منجانب اللہ تسلیم کرکے اُنکی تعلیمات کی حفاظت کریگی۔ اسکے آگے پر تم اسی کے ماتحت حکم احکام دو اور دوسروں کی خواہشات کی اتباع

نکردیم نے اس سے پہلے بھی ہر ایک قوم کو شریعت دی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا۔ تو سب کو ایک ہی مذہب پر (پہلے سے ہی) لے آتا لیکن وقت نزول قرآن سے پہلے نہ تو کسی عالمگیر کتاب کا وقت تھا۔ اور نہ کل قومیں ایک ملت پر جمع ہو سکتی تھیں اسبات کیلئے موزوں وقت تو وہ ہو سکتا ہے جب (واذا النفوس زوجت) کل انسانی نفوس میں میل ملاپ کا زمانہ آجاوے۔ وہ ایک دوسرے سے ملیں جلیں۔ ہاں جن میں بنفسہٖ میل ملاپ کی صورت پیدا نہ ہو۔ انہیں باہمی تعلقات (واذا الصحف نشرت) صحایف۔ رسایل۔ کتب۔ اخبارات کے چاروں طرف پھیل جانے سے ہو جاوے۔ ان سے وہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو جاویں ایسے ارتباط و اتحاد کے وقت ایک ایسی کتاب کی ضرورت پیدا ہو جاویگی۔ جو کل اقوام عالم کے لئے پند و نصیحت کا سامان اپنے اندر رکھے چنانچہ ان آیات واذا النفوس زوجت . . . واذا الصحف نشرت کے ساتھ ہی فرمایا۔ ان ھو الا ذکر للعالمین یعنی ایسے وقت پر یہ کتاب عالمین کے لئے ذکر اور نصیحت کا کام دیگی۔ یہی وہ وقت ہے جب سب کی پرستش گاہ اور قبلہ ایک ہونا چاہئے۔ چنانچہ فرمایا

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات۔ این ما تکونوا یات بکم اللہ جمیعاً ان اللہ علی کل شیء قدیر . . . . ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولو وجوھکم شطرہ۔ خدا تعالیٰ نے تو ہر ایک جماعت کی پرستش کی ایک سمت مقرر کردی تھی بغرض تو عبادات سے سبقت فی الخیرات ہے (ہاں اللہ تعالیٰ ایک وقت پر) تم انسانوں کو جہاں کہیں بھی ہو اپنی طرف (ایک جگہ) جمع کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس کام پر قادر ہے تو پھر ایسے وقت، تم جہاں کہیں ہو تمہیں مسجد حرام یعنی (کعبہ) کی طرف ہی اپنا منہ کرنا ہوگا۔ ان آیات میں جہاں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ کل قوموں کے طریق پرستش اور ان کے قبلے اپنی اصلی حیثیت میں اولاً خدا تعالیٰ کے ہی مقرر کردہ تھے۔ وہاں یہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ ایسے وقت جب اللہ تعالیٰ کل قوموں کو جمع کرے تو اتحاد انسانی اس بات کا مقتضی ہے۔ کہ (وحیث ما کنتم) جہاں کہیں افراد انسانی ہوں (مشرق میں ہوں یا مغرب میں، شمال میں ہوں یا جنوب میں۔ امریکہ میں ہوں یا ایشیا میں

(فولو وجوہکم شطرہ) وہ سب کے سب عبادت کے لئے ایک ہی طرف منہ پھیریں۔ اور ایسے عالمگیر قبلہ کے لئے مسجد حرام (کعبہ) سے بہتر اور کونسی جگہ ہو سکتی ہے۔ جہاں سے کل افراد عالم کو ایک نکتہ اتحاد پر جمع کرکے اور ان میں حقیقی وحدت اور اخوت پیدا کرکے باہمی مناقشات وفسادات کو ختم کرنے کے لئے ایک عالم گیر مذہب پیدا ہُوا ہو ✱

ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس عالمگیر کتاب کو صفت رب العالمین سے شروع کرکے کل ممالک کیطرف متوجہ کیا ہے۔ چنانچہ اس ہمارے زمانہ نے ہماری جسمانی پرورش کے لئے ہماری مایحتاج کا بہم پہنچانا۔ کسی خاص ملک سے وابستہ نہیں کیا۔ کل دنیا اور جہاں کی چیزیں جو اوّل وقتوں میں اپنی اپنی جگہ استعمال ہو جاتی تھیں۔ آج ہر ایک کے دسترخوان پر چلی آتی ہیں کوئی شخص بھی ضروریات جسمانی کے لئے اپنے ہی ملک کی پیدا وار کو کافی نہیں سمجھتا۔ ہمارے دسترخوان پر کل ممالک اور کل قوموں کی نعمتیں موجود ہوتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہمارے روحانی دسترخوان پر صرف وہی چیزیں ہوں۔ جو ایک دوسرے سے اجنبیّت رکھنے والے زمانے میں ہر ایک ملک کے لئے الگ الگ اللہ تعالیٰ نے مہیّا کی تھیں۔ اگر اہل ہند اب ہندوستانی پیداوار کو اپنے لئے مکتفی سمجھتے ہیں۔ جو آج سے دو ہزار برس پہلے یہاں پیدا ہوتی تھیں۔ تو پھر ان کو وید مبارک ہو لیکن اگر تبدیلی حالات نے ضروریات کو بدل دیا ہو تو پھر اُن کا روحانی دسترخوان کچھ ایسی نعما سے تیار ہونا چاہیئے۔ جس میں دنیا جہاں کے روحانی پھل اور ثمرات ہوں۔ دنیا کے عالمگیر میل جول پر جس کا آغاز ہزار برس سے اوّل ہو چکا ہے۔ ایک ایسی کتاب اللہ کی ضرورت ہے۔ جو کل سابقہ الہامی کتابوں کی

صداقتوں کو اپنے اندر جمع کرلے۔ اگر اُن کی تعلیمات میں کسی قسم کی آمیزش ہو تو ان تعلقات کو ایسی ملونی سے پاک کرکے صحیح اور مطہر تعلیم دنیا کے ہاتھ میں دیدے۔ اور ایسا ہی مرورِ ایام نے جہاں جدید دریافت کے ماتحت نئی تعلیم کی ضرورت پیدا کردی ہو۔ وہ ضرورت بھی اس کتاب سے بوجہ اتم پوری ہو +

قرآن کریم کل کتب قدیمہ کا قایمقام

قرآن کریم کے نازل ہونے پر ایک ایسی جامع کتاب کی دنیا کو ضرورت تھی۔ چنانچہ قرآن کریم نے ایسی ہی کتاب ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ صحف مطہرۃ فیھا کتبٌ قیمۃ۔ وما فرطنا فی الکتاب من شیٔ۔ یعنی قرآن کریم کے اندر تمام صحیفے مطہر حالت میں ہیں۔ یعنی صحائف قدیمہ میں جو آمیزش انسان نے کردی۔ اس کو دور کرکے ہر ایک صحیفہ کی اصلی تعلیم قرآن میں جمع کردی گئی ہے۔ ایسا ہی جہاں کہیں کوئی مضبوط اور محکم بات کسی کتاب میں تھی۔ وہ اس میں موجود کردی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ہر ایسی چیز جو انسانی ضرورت چاہتی تھی۔ وہ بھی اس میں رکھ دی گئی ہے +

قدیمی کتب اور نئی ضروریات

اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کہ عالمگیر دنیوی میل جول سے پہلے کی کوئی کتاب ضروریات مابعد کو پورا نہیں کرسکتی۔ اگر یہ غلط ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے۔ کہ ایک کتاب میں ہزارہا برس پہلے سے ہی بعض آیندہ ضروریات کے دفعیہ کی تعلیم جمع کردی گئی تھی۔ وہ تعلیم اس وقت تو سمجھ نہ آئی۔ بلکہ ہزاروں برس نظر سے اوجھل رہی۔ اس سے نہ صرف حکیم خداوند

کے فعل پر حرف آتا ہے۔بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ ہر ایک چیز ضرورت کے وقت ہی اپنا کامل ظہور دکھلاتی ہے۔ قرآن کریم کے زمانہ سے پہلے عالم گیر الہام بے ضرورت تھا۔ ہاں قرآن کا زمانہ عالم گیر الہام کو چاہتا تھا۔ رہا یہ سوال کہ قرآن ایسا عالم گیر الہام ہے یا نہیں؟ یہی امر ثابت کرنا ہماری اس کتاب کا مقصد ہے +

مختلف طبقات عالم کے مطابق حال قرآن کی تعلیم

قرآن کریم کا پہلا فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہمیں ایک اور امر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم گیر کتاب کو رب العالمین سے شروع کرکے یہ اشارہ کیا ہے۔کہ یہ کتاب اپنے اندر کل عالمین کی پرورش کے سامان رکھتی ہے۔ اب اگر وید بھی عالم گیر کتاب ہے۔تو ضرور ہے کہ کل طبقات عالم کی پرورش اس میں موجود ہو۔یعنی کل روئے زمین کے باشندگان کی تربیت کے لئے اس میں کافی تعلیم ہو۔ عالم سے مراد نہ صرف ہندوستان یا یورپ یا کوئی اور حصہ دنیا ہے۔ بلکہ اس سے تو وہ تمام دنیا کے حصے مراد ہے۔جن میں مختلف اقوام بستی ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے۔کہ اس وقت اور ایسا ہی کسی اور وقت بھی روئے زمین کے تمام کے تمام باشندے ایک ہی قسم کے قوائے عقلیہ نہ رکھتے تھے۔ اور نہ ایک ہی قسم کی تہذیب کبھی ہر جگہ نظر آئی ہے۔اگر ایک طرف افریقہ کے مادرزاد برہنہ وحشی ہیں۔جنہوں نے ابھی تمدن اور تہذیب کے ابتدائی منازل کو بھی طے کرنا شروع نہیں کیا۔تو دوسری طرف وہ فضلائے روزگار بھی ہیں کہ جنہوں نے تہذیب ومعقولیت کے معراج تک قدم مارا ہے۔ الغرض اگر کل روئے

زمین کی تہذیب اور عقل کا موازنہ کیا جاوے۔ تو ہمیں مختلف ممالک میں تہذیب اور معقولیت کے وہ تمام مدارج نظر آتے ہیں جو ہمیں افریقہ کے مادر زاد وحشیوں سے چل کر یورپ کے بعض عقلا تک پہنچاتے ہیں۔ کیا ایک عالمگیر کتاب کا فرض نہیں۔ کہ وہ ان تمام مختلف تہذیب و معقولیت کے مدارج کی اصلاح اور تربیت کا سامان اپنے اندر رکھے۔ یہ مختلف مدارج مختلف عالم ہیں۔ اور اس لئے ضرور ہے۔ کہ رب العالمین کی طرف سے جو کتاب ہو وہ ان مختلف عالمین کی تربیت و تادیب کا سامان اپنے اندر رکھے۔ ایک وحشی انسان کو معمولی تمدن کے آداب سکھلا کر ابتدائی تہذیب کے دروازہ تک پہنچانے پھر بتدریج ابتدائی اخلاق کے سبق دے کر اُسے کامل با اخلاق انسان بنائے۔ اور اس با اخلاق انسان کو باخدا انسان بنا کر کمال حقیقی تک پہنچائے ۔

قرآن اور دوسری الہامی کتب میں فیصلہ کی ایک راہ

ایک کامل عالمگیر کتاب کا یہ ایک کامل معیار ہے جو میں نے پیش کر دیا ہے۔ اور اس پر ہی کل تنازعات باہمی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ میں قرآن کریم کو ہاتھ میں لیتا ہوں۔ اور مثلاً اہل وید۔ وید کو ہاتھ میں لیں۔ اور ہم اس طرح افریقہ کے وسط سے چل کر آہستہ آہستہ کل روئے زمین کی ہدایت کر جاویں۔ لیکن شرط یہ ہوگی۔ کہ جس وقت اور جس سرزمین کے باشندگان کو ہم بغرض اطلاع کوئی تعلیم دیں۔ تو وہ تعلیم اپنی اپنی کتاب سے نکالیں۔ پھر اس امتحان میں جو کتاب کامل نکلے۔ وہی کتاب کامل اور عالمگیر الہام ہو سکتی ہے۔ اور اگر

ان مطالبات کو کوئی کتاب پورا نہ کر سکے ۔ تو خود اُس نے اس بات کا فیصلہ کر دیا۔ کہ وہ نامکمل کتاب ہے ۔ اور اس کے بعد ابھی کسی اور الہامی کتاب کی ضرورت ہے یہ ہمارا مطالبہ صرف قرآن کریم اور وید مقدس سے ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک الہامی کتاب سے ہمارا یہ مطالبہ ہے ۔ وید چونکہ ایک قدیمی الہام سمجھا گیا ہے اور پھر اس کے بعد باب الہام بند سمجھ لیا گیا ہے ۔ اس لئے ہم نے اس کتاب کو سامنے رکھ لیا ۔ و الاّ جو کچھ ہم اس کے متعلق لکھتے ہیں ۔ وہ بھی قریب قریب سب دیگر کتب مقدسہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے ؟

عالم گیر الہام میں عالم گیر تہذیب کی تعلیم ہونی چاہئے

یہ طویل بحث یوں ختم ہو جاتی ہے ۔ کہ ہم سر دست درمیانی طبقات تہذیب کو چھوڑ کر ایک طرف اُس ادنیٰ طبقہ کی تہذیب کو سامنے رکھ لیں ۔ جو ایک ریفارمر مثلاً سنٹرل ۔ افریقہ جیسے ابتدائی تمدن کے لوگوں میں قایم کرنا چاہتا ہے ۔ پھر اُس اصول تہذیب پر غور کریں ۔ جو مغربی اقوام والے تمدن کے مناسب حال ہو سکتی ہے ۔ اور پھر دیکھیں کہ ان دو انتہائی مدارج تہذیب کے مناسب حال کون سی کتاب ایک مکمل تعلیم پیش کرتی ہے ؟

ہم نے اس نگاہ سے وید ۔ قرآن ۔ بائیبل ۔ اور دیگر مذاہب کے صحایف کا مطالعہ کیا ۔ ہم نے تو قرآن کریم کے علاوہ کسی اور کتاب کو ایسا جامع نہ پایا ۔ جس میں نہ صرف ان دو مذکورہ بالا دو انتہائی مقامات تہذیب کے مناسب حال ہی تعلیم موجود ہو ۔ بلکہ وہ کتاب درمیانی طبقات تہذیب کی بھی متکفل ثابت ہو سکے ۔ بدقسمتی سے ہمارے آریہ دوستوں کی توجہ بالکل ایک اور طرف لگ

گئی ہے۔ ان کے متکلمین کسی الہام کی تکمیل شاید مسئلہ قدامت عالم اور مسئلہ تناسخ

موجودہ آریہ سماجک لٹریچر کا انداز محتاج تبدیلی ہے

کی تشریح وتعلیم پر محمول کرتے ہیں۔ اور بعض نے تو اپنا بھاری فرض دوسرے مذاہب کی عیب چینی اور عیب شماری سمجھ رکھا ہے۔ گذشتہ تیس سالہ سماجک لٹریچر عموماً قریباً اسی رنگ میں رنگین ہے۔ ہمیں تو سمجھ ہی نہیں آتی۔ کہ قدامت عالم یا تناسخ کے مسایل کی حقیقت سمجھ لینا یا ان پر کسی خاص قسم کا ایمان رکھنا کس طرح روزانہ معاملات زندگی پر اثر کرتا ہے۔ ہمارے آریہ دوست اگر وید کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان مباحثات سے الگ ہو کر اپنی توجہ وید کے اس حصے کی طرف مبذول فرماویں۔ جس میں تمدن اور تہذیب انسانی پر کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ ان پراچین اصولوں کو پبلک میں پیش کریں۔ جو آج نسل انسان کی اصلاح و فلاح کا موجب ہوں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ کسی الہامی کتاب کی بھاری غرض صرف چند دعاؤں اور چند قربانیوں کا سکھلانا ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ الہام کی اصلی غرض انسان کو متمدن بنا کر اُس کے مضمرہ قواے کو فعل میں لانا ہوتا ہے۔ لہذا عالم گیر الہام وہی ہو سکتا ہے۔ جو تمام عالم کے مختلفہ طبقات کے انسانوں کی مخفی قوتوں اور استعدادوں کو کمال حقیقی تک پہنچاوے۔ ایک طرف افریقہ اور دوسری طرف یورپ کی اصلاح کے سامان اپنے اندر رکھے +

ہم انشاء اللہ اس کتاب کی ایک کامل جلد قرآن کے قوانین تہذیب و تمدن کے لئے خاص کرینگے۔ لیکن یہاں امور بالا کی تشریح میں ہم تہذیب کے دو انتہائی مقامات پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اور سب سے پہلے تمدن کی

ابتدائی حالت سے اس بحث کو شروع کرتے ہیں۔اور یہ سچ بھی ہے۔اگر کوئی کتاب ہمہ گیر ہے۔توکیوں اس میں سنٹرل افریقہ کے مناسب حال تعلیم نہ ہو۔کیا افریقہ سرشٹی کا حصّہ نہیں۔اگر ہے توجو کتاب سرشٹی کی آدمیں تھی۔اور جس کے عالم گیر ہونے پر اس وقت اس قدر زور دیا جاتا ہے۔اس میں تو سب سے پہلے افریقہ کے مادرزاد عریانوں کی اصلاح کے سامان ہونے چاہئیں۔یہ وہ لوگ ہیں۔جو ننگے پھرتے ہیں۔جن کا ابھی مردار پر گذارہ ہے۔جو پاکیزہ خوراک سے ابھی ناواقف ہیں۔جو ماں بہن کے رشتوں کی عزت نہیں جانتے جو کھانے پینے کے ادنیٰ سے ادنیٰ اصولوں سے ناواقف ہیں۔جو اکٹھے مل بیٹھنے کے آداب سے ناآشنا ہیں۔جن میں اگر کوئی ابتدائی تہذیب پیدا بھی ہوگئی ہے۔تو پھر وہ ابتدائی آداب مجلس سے بالکل دور ہیں۔وُہ عورتوں پر زبردستی کرتے اور بچوں کو قتل کرتے ہیں۔لیکن سنٹرل افریقہ پرکیا منحصر ہے۔خود اس ہندوستان میں ایسی قومیں موجود ہیں۔جو انہیں خصایل اور عادات میں ان افریقہ کے بادیہ نشینوں سے ملتے جلتے ہیں۔ماجھ کے سکھ اور مالوے کے جاٹ ابھی معمولی تہذیب سے کوسوں دُور ہیں۔اور اس وقت جو کسی پولٹیکل مصلحت سے آریہ سماج نے اچھوت قوموں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہا ہے۔توکیا ان کا شدھ کرنا صرف یہاں تک ہی محدود ہونا چاہئیے۔کہ سماجک پرچارکسی گاؤں میں جاکر اعلیٰ قوموں کو ترغیب دے دیں۔کہ ایک آدھ دن کے لئے نیچ قوموں کے ساتھ مل کر روٹی کھالیں۔یا آپس میں چلم بدل لیں۔پھر خواہ بعد میں پرائسچت بھی کرلیں۔یا اُن کی

تہذیب و تربیت کسی اور تعلیم کی بھی محتاج ہے۔ اور اگر وہ محتاج ہیں۔ تو کیا ان کی تہذیب و تربیت کا بہترین سامان وید سے مل سکتا ہے۔ ہمیں تو وید میں ایسی تعلیم نظر نہیں آتی۔ یہی حال بہت حد تک دوسری کتب مقدسہ کا ہے۔

گذشتہ کتب کیوں عالم گیر نہیں

بات یہ ہے۔ کہ نزول قرآن سے پہلے مختلف قوموں اور مختلف ممالک میں وقتاً فوقتاً الہام آلہی تو نازل ہوتا رہا۔ اور ہر ایک ملک اور قوم نے یکے بعد دیگرے ہر دوسری تیسری صدی کے بعد کسی نہ کسی معلم ربانی کی شکل بھی دیکھی۔ لیکن ابھی وقت انسان پر نہ آیا تھا۔ کہ کل کی کل قومیں ایک ہی مذہبی پلیٹ فارم پر لائی جاویں۔ نہ زمانہ نے اُن اسباب کو پیدا کیا تھا جس سے ایک وقت کا الہام کسی آیندہ وقت کے لئے محفوظ رہ سکے۔ اس لئے جس وقت کسی قوم کو کوئی کتاب دی گئی۔ اس وقت کے مخاطبین کے حالات و معاملات کو مدّنظر رکھ کر اُن کے مناسب حال تعلیم دیدی گئی۔ چنانچہ وید نے بھی اُسی مدارج تہذیب سے اصلاح شروع کی جس میں اپنے اوّل مخاطبین کو پایا۔ یہی حال مختلف صحایف بائیبل میں ہم پاتے ہیں۔ ہاں قرآن ایک ایسے وقت نازل ہُوا۔ جب کل قوموں کو ایک کتاب کی ضرورت تھی۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ قرآن میں دنیا کے کل مدارج تہذیب کا علاج ہو۔ خدا تعالیٰ نے ایسے جامع الہام کے لئے ایک ایسی قوم کو انتخاب کیا۔ جو اس وقت تہذیب و تمدن کے ارزل مقام پر تھی۔ چنانچہ اول اول اُن کے لئے وہ تعلیم تجویز کی۔ جو آج بجنسہٖ ابتدائی تہذیب والی قوم کے مناسب حال ہوسکتی ہے۔ پھر اس قوم کو آہستہ آہستہ بیس پچیس سال کے اندر ہی انسانیت کے کمال تک پہنچا دیا۔ گویا آغاز نزول قرآن پر جو عربوں کا تمدن تھا۔ اور جو تہذیب ان کی تکمیل قرآن پر ہوگئی۔ ان دو انتہائی مقامات میں تمدن اور تہذیب کے وہ سارے مدارج آجاتے

ہیں۔ جو دنیا کے مختلف طبقات میں اس وقت دائر و سائر ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن اپنے اندر ہمہ گیر تعلیم رکھتا ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہم ان تعلیمات کو یہاں پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن نے ان دو انتہائی مدارج تہذیب کے لئے تجویز کیں۔ ہم اولاً ابتدائی مدارج[۱] تہذیب کے مناسب حال تعلیمات قرآن کو یہاں پیش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی کتاب حمید میں فرماتا ہے:۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ
وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ
اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ
فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا
دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ
الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا
قَدْ سَلَفَ ۲ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۱ وَلَا ۳
تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۱ اُحِلَّ لَكُمُ
الطَّيِّبٰتُ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

۱؎ اس مضمون پر مفصل اور سیر کن بحث ہمارے مرشد و آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مجدد صدی چہار دہم علیہ الف الف سلام نے اپنے بے نظیر تقریر مندرجہ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب منعقدہ لاہور ۱۸۹۶ء میں کی ہے۔ یہ مضمون گویا بحر قرآن کو کوزہ میں بند کر دیتا ہے۔ ایک دریائے معرفت ہے۔ جو اس تحریر میں بہ رہا ہے۔ آیات مندرجہ صفحہ بالا بمع ترجمہ اس جگہ سے بہ لفظ نقل کر دی گئی ہیں۔ یہ تقریر مغربی تعلیم یافتہ طبائع پر خصوصاً سحر حلال کا کام کرتی ہے۔ انکے سب شکوک کو دور کرکے ان کو کامل مسلم بنا دیتی ہے۔ منہ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَلَا
تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ
بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا
فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ
لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
اَبْوَابِهَا وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ
رُدُّوْهَا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ حُرِّمَتْ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ
اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ
اَكَلَ السَّبُعُ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ
اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَاِذَا قِيْلَ لَكُمْ
تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا وَثِيَابَكَ
فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ
تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا
وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ

ترجمہ

یعنی تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں۔ اور ایسا ہی تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں۔ اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں۔ اور تمہاری بھتیجیاں۔ اور تمہاری بھانجیاں۔ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔ اور تمہاری رضاعی بہنیں۔ اور تمہاری بی بیوں کی مائیں۔ اور تمہاری بی بیوں کی پہلے خاوند سے لڑکیاں جن سے تم ہم صحبت ہو چکے ہو۔ اور اگر تم اُن سے ہم صحبت نہیں ہو تو کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں۔ اور ایسے ہی دو بہنیں ایک وقت میں یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے۔ آج تم پر حرام کئے گئے۔ یہ بھی تمہارے لئے جائز نہ ہوگا۔ کہ جبراً عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ یہ بھی جائز نہیں۔ کہ تم ان عورتوں کو نکاح میں لاؤ۔ جو تمہارے باپوں کی بیویاں تھیں۔ جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ پاک دامن عورتیں تم میں سے یا پہلے اہل کتاب میں سے تمہارے لئے حلال ہیں۔ کہ ان سے شادی کرو۔ لیکن جب مہر قرار پاکر نکاح ہو جاوے۔ بدکاری جائز نہیں اور نہ چھپا ہوا یارانہ۔ عرب کے جاہلوں میں جس شخص کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ بعض میں یہ رسم تھی۔ کہ اُن

کی بیوی اولاد کے لئے دوسرے سے آشنائی کرتی - قرآن شریف نے
اس صورت کو حرام کر دیا مسافحت اسی بدرسم کا نام ہے - پھر فرمایا کہ تم
خودکشی نہ کرو - اپنی اولاد کو قتل نہ کرو - اور دوسرے گھروں میں وحشیوں
کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ - اجازت لینا شرط ہے - اور جب
تم دوسروں کے گھروں میں جاؤ - تو داخل ہوتے ہی السلام علیکم کہو - اور
اگر ان گھروں میں کوئی نہ ہو - اور جب تک مالک خانہ تمہیں اجازت نہ دے
ان گھروں میں مت جاؤ - اور اگر مالک خانہ یہ کہے - کہ واپس چلے جاؤ -
تو تم واپس چلے آؤ - اور گھروں میں دیواروں پر سے کود کر نہ جایا کرو -
بلکہ گھروں میں اُن گھروں کے دروازہ میں سے جاؤ - اور اگر کوئی تمہیں
سلام کہے - تو اس سے بہتر بیک تر اُس کو سلام کہو - شراب اور قماربازی
اور بُت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو -
مردار مت کھاؤ - خنزیر کا گوشت مت کھاؤ - بُتوں کے چڑھاوے مت
کھاؤ - لاٹھی سے مارا ہوا مت کھاؤ - گر کے مرا ہوا مت کھاؤ - سینگ لگنے
سے مرا ہوا مت کھاؤ - درندہ کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ - بُت پر چڑھایا ہوا مت
کھاؤ - کیونکہ یہ سب مردار کا حکم رکھتے ہیں - اور اگر یہ لوگ پوچھیں کہ پھر کیا کھائیں
تو جواب یہ دے - کہ دُنیا کی تمام پاک چیزیں کھاؤ - صرف مردار اور مردار
کے مشابہ اور پلید چیزیں مت کھاؤ - اگر مجلسوں میں تمہیں کہا جاوے - کہ کشادہ
ہو کر بیٹھو یعنی دوسروں کو جگہ دو - تو جلد جگہ کشادہ کر دو - تا دوسرے بیٹھیں
اور اگر کہا جائے - کہ تم اُٹھ جاؤ - تو پھر بغیر چون و چرا کے اُٹھ جاؤ - گوشت

دال وغیرہ سب چیزیں جو پاک ہوں۔ بیشک کھاؤ۔ مگر ایک . . . . .
طرف کی کثرت مت کرو۔ اور اسراف اور زیادہ خوری سے اپنے تئیں
بچاؤ۔ لغو باتیں مت کیا کرو۔ محل اور موقعہ کی بات کیا کرو۔ اپنے کپڑے
صاف رکھّو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ جہاں تمہاری نشست
ہو پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنی غسل کرتے رہو۔ اور گھروں
کو صاف کرنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو۔ نہ بہت نیچا درمیان
کو نگاہ رکھّو۔ یعنی باستثناٴ وقت ضرورت کے۔ چلنے میں بھی نہ بُہت تیز چلو۔
اور نہ بہت آہستہ۔ درمیان کو نگاہ رکھّو۔ جب تم سفر کرو۔ تو ہر ایک طور پر سفر کا
انتظام کر لیا کرو۔ اور کافی زادِ راہ لے لیا کرو۔ تا گداگری سے بچّو۔ جنابت کی
حالت میں غسل کر لیا کرو۔ جب روٹی کھاؤ تو سایل کو بھی دو اور کُتّے کو بھی
ڈال دیا کرو۔ اور دوسرے پرند وغیرہ کو بھی اگر موقع ہو۔ یتیم لڑکیاں جن کی تم
پرورش کرو۔ ان سے نکاح کرنا مضایقہ نہیں لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ
لاوارث ہیں۔ شاید تمہارا نفس اُن پر زیادتی کرے۔ تو ماں باپ اور اقارب
والی عورتیں کرو۔ جو تمہاری مؤدب رہیں۔ اور اُن کا تمہیں خوف رہے۔
ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ اعتدال کرو۔ اور اگر اعتدال
نہ ہو۔ تو پھر ایک ہی پر کفایت کرو۔ گو ضرورت پیش آوے چار کی حد جو لگا
دی گئی ہے۔ وہ اس مصلحت سے ہے۔ کہ تا تم پرانی عادت کے تقاضا
سے افراط نہ کرو۔ یعنی صدہا تک نوبت نہ پہنچاؤ۔ یا یہ کہ حرام کاری کی طرف
جھک نہ جاؤ۔ اور اپنی عورتوں کو مہر دو ؎

اعلیٰ تہذیب کے مدعی ابھی تک ادنےٰ منازل تہذیب تعلیم کرنے کا قرآن سے معرا ہیں

قرآن کریم کی یہ وہ تعلیم ہے۔ جس کے ذریعہ اس جامع کتاب نے اُن انسانوں کی اصلاح کرنی چاہی ہے۔ جو تہذیب کی ابتدائی منازل میں ہوں۔ اور جن کو قرآن نے وحشیانہ حالت سے نکال کر معمولی لوازم انسانیت سکھلانے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو ان ہدایات مذکورہ بالا میں بہت سی باتیں عامہ تمدن کے متعلق ایسی بھی موجود ہیں کہ جنکی احتیاج آج بڑی سے بڑی مہذب قوموں کو بھی ہے۔ در اصل ہر ایک ملک اور قوم میں خواہ اُس کے بعض افراد تہذیب و تربیت کے کسی درجہ پر ہوں۔ کثرت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جو ابھی تہذیب و تربیت کے پہلے مدارج کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک مکمل کتاب ایسی ہدایات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم تو ان ابتدائی قرآنی تہذیب کی ہدایات میں بعض ایسی باتیں پاتے ہیں جنکو آجتک مہذب زمانہ نے نہیں سمجھا۔ اور نہ ان پر عمل کیا۔ ہاں اب ان امور کی طرف کسی قدر توجہ شروع ہوگئی ہے۔ ہم نے یہاں ارادتاً ان آیات کو چنا ہے۔ اس سے ہمیں یہ دکھلانا مقصود ہے۔ کہ جن باتوں کو قرآن نے وسطی افریقی تمدن کے مناسب حال تجویز کیا ہے۔ اس کی ضرورت ابھی یورپ اور دیگر ایسی اقوام کو بھی ہے جو اپنی قدیمی تہذیب کے بہت مداح ہیں ؃

ابتدائی تہذیب کے اصول تعلیم کرنے میں قرآن نے عقل انسانی کی تحقیر نہیں کی

اس معاملہ میں وید پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم نے تو قرآن کریم کے علاوہ ہر ایک الہامی کتاب کو کلاً جزاً اس قسم کی تعلیم سے خالی پایا۔ بعض مخالفان اسلام نے اپنی کتب کو ایسی تعلیمات سے خالی پا کر یہ کہنا شروع کیا۔ کہ قرآن کا ایسی تعلیم پیش کرنا عقل انسانی کی تحقیر اور شرافت انسانیت پر ایک قسم کا حملہ کرنا ہے۔ گویا قرآن نے بنی نوع کو اس قابل بھی نہیں سمجھا۔

کہ وہ ایسے سیدھے سادھے اصول بھی اپنے لئے تجویز کر سکے لیکن ان بزرگوں نے یہ نہ سمجھا۔ کہ دنیا کے حصہ پر نزول قرآن کے وقت ابھی زیادہ مخلوق ایسی تھی۔ اور جن سے اب بھی بکثرت دنیا خالی نہیں ۔جنھوں نے ابھی تک ابتدائی انسانیت کی بھی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اور اس پر کیا منحصر ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں تو جیسے کہ اوپر لکھا گیا بعض ایسی ہدایات ہیں۔ کہ جن میں سے بعض کی ترویج کی ضرورت کو ابھی ادنےٰ سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ سوسائیٹیوں کے بعض طبقات میں بھی ازحد ہے۔ آج نصف صدی سے اوپر ایک زمانہ یوروپین تہذیب کا والہ وشیدا ہو رہا تھا۔ ہر قسم کی بہبودی اور فلاح یوروپین کا حصّہ سمجھا گیا تھا لیکن کون نہیں جانتا۔ کہ شراب اور قمار بازی وغیرہ نے یورپ کے اخلاق اور تمدن کا ستیاناس کر دیا۔ اس وقت تک بھی اعلیٰ طبقہ کے لوگ مغربی دنیا میں اِن خطرناک کج خلقیوں میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ آج ہر ایک انسان ان کے بدنتائج سے آگاہ ہو چکا ہے پھر ہم کس طرح سمجھیں۔ کہ قرآن کریم نے ابتدائی مراحل تہذیب کی ہدایات دینے میں نسل انسانی کی شرافت کا لحاظ نہیں کیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا جوہر انسانیت کی قدر ہو سکتی ہے کہ قرآن نے اُن امور کے خلاف کھلی کھلی تعلیم دی جس سے جوہر انسانیت کی تباہی منظور تھی ؛

فرقہ یوزی ٹوزم اور ضرورت الہام رہا یہ امر کہ کیوں نہ انسان کو اپنے آپ پر چھوڑا گیا۔ تا کہ وہ خود بخود اپنی بہتری اور ترقی کی راہیں نکال لیتا۔ اور جو بات اسکے مضر ہوتی۔ اُس سے بچتا۔ اس سے سردست انسان کو ترقیات کی طرف ہدایت ہو جاتی ؛ یہ امر ایک حد تک درست ہے۔ اور اسی اصول پر انگلستان کا مشہور فرقہ پوزی ٹوسٹ اس وقت اسلام سے ناراض ہو رہا ہے جس کے اصول بہت حد تک تو قرآنی ہیں۔ لیکن وہ خدا کیطرف سے

ان اصولوں کا آنا ضروری نہیں سمجھتا۔ ہم آگے چل کر دکھلاویں گے۔ کہ قرآن کریم نے اس بات کا التزام ازبس کیا ہے۔ اور انسان کی ہدایت کے لئے عام اصول تعلیم دے کر اُسے اعلیٰ ترقیات کے لئے اپنے آپ پر چھوڑا ہے لیکن یہ طریق ان امور کے مناسب حال نہیں۔ جو انسان کے ساتھ ابتدا سے ہی لاحق حال ہوجاتے ہیں جن کا اختیار کرنا اوسے ہر طبقہ تہذیب میں لابد ہوتا ہے اگر انسان کو ایسے امور کی ہدایت ہادی مطلق سے نہ ملے۔ تو وہ ایک ایسے وقت اپنے نیک وبد کی امتیاز پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ جب اُس میں قوت تمیز ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اور ممکن ہے کہ نسل انسانی ایسے وقت بعض خطرناک ضرر رساں غلطیوں کی خوگر ہوجائے۔ کہ جن سے بعد میں نجات پانا نسل انسان کے لئے مشکل ہوجاوے۔ یہی ہمارے ابتدائی تمدن کے اصول دیکھ لئے جاویں۔ آج بھی بہت سی ایسی مکروہ باتیں تہذیب یافتہ سوسائٹیوں میں پائی جاتی ہیں جن سے آیات مندرجہ بالا روکتی ہیں۔ وہ امور جسم۔ اخلاق اور روح کے مضر ہیں جن کے ضرر ونقصان سے گو مہذب لوگ اب آگاہ ہوگئے ہیں لیکن عادت ایک فطرت ثانیہ ہوگئی ہے۔ اور ان امور رذیلہ سے وہ نجات نہیں پاسکتے ؞

ماکولات۔ مشروبات اور جسمانی طہارت کے صحیح اصول تک بھی انسان الہام کے سوا نہ سمجھ سکا

بڑے امور کو جانے دو انسان تو قدم قدم پر الہام کا محتاج نظر آتا ہے۔ اور اگر خدا کا الہام ہی اس کی دست گیری نہ کرے۔ تو اس کی عقل کی روشنی اُسے اُس تاریکی کے گڑھے سے نہیں نکال سکتی جس میں وہ ایک دفعہ گر جاوے۔ مثلاً کون نہیں جانتا کہ جسم کی صحت پر کل زندگی کا مدار ہے۔ مذہب یوذی لوڈاذم کے پرستاروں سے بہتر اس اصول کا اور کون معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ ہماری اخلاقی اور روحانی صحت جسم کی صحت کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ راز ہے کہ جسے سب سے اول قرآن کریم نے تعلیم کیا۔ اور واضح طور پر بتلایا۔

کہ صحت جسم ہی عمدہ اخلاق کا موجب ہو کر انسان کو روحانی مدارج تک پہنچا دیتی ہے۔ جسم کی پرورش اور صحت تین چیزوں سے علی الخصوص وابستہ ہے۔ عمدہ پاکیزہ کھانا پینے میں مضر چیزوں سے بچنا اور جسم کو پاک صاف رکھنا۔ کل ہائی جینک قوانین انہیں تین محوروں پر گردش کھاتے ہیں۔ لیکن ہم یہاں یہ دکھلانا چاہتے ہیں۔ کہ انسانی تحقیق و تدقیق انسان کو اس وقت تک ان امور میں صحیح باتیں نہ سکھلا سکی۔ مذکورہ بالا آیات قرآنی نے کھانے پینے اور صفائی جسم کے متعلق عام ہدایات دینے کے علاوہ خصوصاً تین باتوں کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے۔ مشروبات میں سے شراب کو روک دیا گیا ہے۔ اور کھانے کی چیزوں میں گوشت خور قوموں کو ذبیحہ کا حکم دیا ہے۔ جسم کی صفائی کے متعلق خصوصاً یہ کہا ہے کہ اور وقت غسل ممکن نہ ہو۔ تو جنابت کے بعد تو غسل ازبس ضروری ہے۔ یہ تینوں امور صحت جسم اور صحت اخلاق و روح کیلئے ازبس ضروری ہیں۔ اب کیا انسان نے اپنی عقل اور تجربہ سے ان تین باتوں سے آگہی پائی۔ اور پھر جب ان میں سے بعض سے وہ واقف بھی ہو گیا۔ تو کیا وہ ان کو چھوڑ سکا وہ تو آج تک ان کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکا۔ مثلاً یہی شراب نوشی کیا انسانی تہذیب و ترقی اور انسانی معلومات اس کا کچھ انسداد کر سکی۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ انسان تو اپنی تحقیق کے ذریعہ صرف تھوڑے ہی عرصہ سے شراب کی مضرت سے آگاہ ہوا لیکن اگر خدا کی طرف سے الہام انسان کے فایدہ کے لئے ہی آتا ہے۔ تو کیا الہام آلہی کا سب سے پہلا فرض شراب کی ممانعت نہ تھا۔ اس خدا تعالیٰ کے رحم کو ہم کیا کریں۔ جو ہزاروں برس سے الہام تو بھیجے لیکن شراب جیسی خطرناک چیز سے انسان کو اطلاع نہ دی۔ اور انسان کو اپنے آپ پر چھوڑ دے۔ شراب نوشی کی تاریخ تلاش کرنے میں انسان حیران ہو جاتا ہے۔ قراین

مصر کے زمانہ میں بھی ہمیں دریائے نیل کے کناروں پر آبکاریاں اور شراب کی دوکانیں نظر آتی ہیں۔ سیریا۔ بابل۔ نینوا۔ روما۔ سب کے سب شراب کے متوالے نظر آتے ہیں۔ اور تو اور۔ خود جھودی بھی اس سے نہ بچے۔ خود تورات میں بیسیوں قسم کی شرابوں کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ عیسائیت کو آج دو ہزار برس گذر گئے لیکن پورے انیس صد برس تک عیسائی کانشنس کو شراب کے خلاف احساس نہ ہُوا۔ مگر آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے جب نان کنفورمسٹ عیسائیوں نے شراب کے خلاف تحریک کی۔ تو سب سے بڑھکر اس تحریک کی مخالفت خود عیسائی کلیسا نے کی۔ آج مذہباً۔ اخلاقاً۔ عرفاً علماً۔ یہ امر متحقق ہو چکا ہے۔ کہ شراب ہر طرح انسانی سوسائٹی کے لئے موجب لعنت ہے۔ یورپ میں ۳/۴ جرایم اور خانہ واری کے دیگر مصائب و فلاکت کی ذمہ وار صرف شراب ہے۔ پھر کیا شراب سے نجات ہو گئی۔ کیوں نہ دنیا اُس اُمی لقب (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی کے قدم لے جس نے الہام الٰہی کے ماتحت آج سے تیرہ صد برس سے اس اُمُّ الخبائث سے دنیا کو متنبہ کر کے کم از کم ۱/۴ مخلوق خدا کو اس لعنت سے بچا لیا ہمیں ایسے الہام کی کیا ضرورت ہے جس میں انسان کو کم از کم ان مضرت رسان اشیاء سے نہ روکا جاوے۔ کہ جس کے استعمال کا وہ ابتداء ہی سے خوگر ہو جاوے۔ اور ان کے نقصان سے ہزاروں برس بعد واقف ہو۔ الہام قرآن کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے صرف ایک مسئلہ شراب ہی

انسداد شراب اور ضرورت قرآن

کافی ہے۔ اگر الہام دنیا میں اسی لئے آتا ہے۔ کہ ہمارے جسمانی روحانی اور اخلاقی صحت کے قیام اور افزائش کے لئے ہمیں عمدہ ہدایات دے۔ اور پھر جب تک دنیا میں ایسی کتاب نہ آجاوے۔ کہ جس میں شراب جیسی ام الخبائث سے انسان کو نہ روکا جاوے۔ تب تک کس طرح ہم کسی الہامی کتاب کو نسل انسان کی

تہذیب کے لئے مکتفی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح پرستاران ملت پوزی ٹوازم جو اصلاح انسانی کے لئے الہام کی محتاج ہونا نہیں چاہتے۔ اور اپنی کوشش کو ہی اس امر میں کافی سمجھتے ہیں۔ وہ بھی غور کریں۔ کہ اس معاملہ شراب میں انسان کہاں تک اپنی کوشش کے ذریعہ اس کے انسداد میں کامیاب ہؤا۔ آج بیشک ہمارے شہنشاہ جارج خامس شراب کو اپنے گھر سے نکالتے ہیں۔ آج بیشک زار روس بھی شراب کو جلاوطن کرنے کی فکر میں ہے۔ آج بیشک فرانس جیسا شراب کا متوالا۔ شراب سے علی الاعلان بیزار ہونے لگا ہے۔ لیکن اُس وقت جب شراب اپنا کام کر چکی۔ اور قوموں کی قوموں کو اس قدر اپنا خوگر کر چکی۔ کہ اب اس سے نجات پانا نہایت ہی سنگین سے سنگین قوانین کی امداد چاہتا ہے۔ یہ تو وہ طریق اصلاح ہے جس کے مدعی پوزی ٹوازم والے ہیں۔ اور جس کا علم ہزاروں برس پیچھے بعد از خرابی بصرہ انسان کو ہوا۔ بالمقابل دنیا نے وہ اصلاح بھی دیکھ لی ہے۔ جو قرآن نے آج سے تیرہ صد برس پہلے کی ہے۔ خدا کا آج حکم آتا ہے۔ اور کل موجودہ یورپین اقوام سے کہیں بڑھ چڑھ کر ایک شراب خور قوم شراب سے متنفر ہو کر ہمیشہ کے لئے اپنی ذریات یعنی ہم مسلمانوں کو اس لعنت عظیم سے ہمیشہ کے لئے بچا لیتی ہے۔ اب زمانہ خود فیصلہ کرے کہ دونوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ انسداد شراب میں زیادہ تر مفید ثابت ہؤا ہے آیا الہام آلہی یا انسانی عقل۔ شراب کے بعد مذکورہ بالا آیات میں چند چیزیں از قسم ماکولات ہم پر حرام کردی گئی ہیں۔ ان کا کھانا بہت حد تک طبی اصول پر روکا گیا ہے۔ یہ امر سمجھ

غیر ذبیحہ کیوں حرام کیا گیا

لینا چاہئے۔ کہ کھانے پینے کے متعلق قرآنی اصطلاح حرام وحلال طبیبانہ اصطلاح مضر ومفید صحت کے ہم معنی اور مترادف ہے۔ قرآن کی حرام کردہ چیزیں اگرچہ بالکل طبیبانہ اصول پر ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مغربی اقوام علمی اور طبی

ترقیات پر بھی اُن سے پرہیز نہیں کرسکتیں۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ممنوعات سے بچانا دراصل الہام کا ہی کام ہے۔ انسانی تحقیق۔ تو بعد اپنا اثر کرتی ہے۔ اور پھر بھی کامل انسداد اپنے اندر نہیں رکھتی۔ ہم دیگر حرام اشیاء خوردنی پر یہاں بحث نہیں کرتے۔ مسئلہ ذبیحہ پر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس مسئلہ نے مشرق و مغرب میں دلچسپی پیدا کررکھی ہے اسوقت علمی تحقیق اس بات کی شاہد ہے۔ کہ خون میں بہت سا حصہ زہریلے مواد کا ہوتا ہے معدہ میں جب خوراک انحلال و انہضام پاتی ہے۔ تو سٹرانڈ پر ایک حصہ غذا زہر بن جاتا ہے پھر حیوانی جسم کے اندر گلٹیاں ہیں جن سے عموماً زہر خارج ہوتی رہتی ہے۔ ہر ایک مشقت کا کام جسم کی اندرونی لحمی عصبی اور دیگر قسم کی تھیلیوں کو توڑ کر مولد زہر ہو جاتا ہے۔ یہ زہر ایک حد تک بول۔ و براز و پسینہ کے ذریعہ خارج ہو جاتی ہے لیکن اس کا بہت سا حصہ خون میں قائم رہتا ہے۔ چنانچہ خون میں کثرت سے یورک ایسڈ ہوتا ہے۔ جو ایک خطرناک زہریلی تاثیر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لئے خون کا کھانا ہم پر حرام ہوگیا ہے۔ اور اُسی خون کی بنا پر زیادہ تر ہم پر ذبیحہ لازم کردیا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں ذبیحہ سے مراد

ذبیحہ کی تعریف

جانور کو خدا کے نام پر ایسے طریق سے ذبح کرنا ہے۔ کہ جس سے اس کے جسم سے سارا خون نکل جاوے۔ اور یہ اس طرح ممکن ہے۔ کہ جانور کی صرف شہ رگ کو کاٹا جاوے۔ لیکن گردن کی رگوں کو قائم رکھا جاوے۔ تاکہ مذبوحہ کے دماغ اور دل کے درمیان موت تک تعلق قائم رہے۔ اور جانور کی موت کا باعث اس طرح صرف کامل اخراج خون ہوں۔ نہ کسی اعضاء رئیسہ پر صدمے کا پہنچنا۔ کیونکہ کسی اعضاء رئیسہ مثلاً دماغ یا دل یا جگر یا شش کے صدمہ رسیدہ ہونے سے فی الفور موت تو وارد ہو جاتی ہے لیکن اُس سے خون آناً فاناً جسم میں منجمد ہو کر گوشت میں سرایت کر جاتا ہے جس سے گوشت

زہریلا ہوجاتا ہے۔ اسی اصول پر آیات ذیل میں بعض جانوروں کا گوشت کھانے سے
انسان کو روکا گیا ہے ؎

حرمت علیکم المیتۃ و الدم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ
والنطیحۃ وما اکل السبع ۔ ۔ ۔ ۔ یسئلونک ماذا اُحِلّ لھم قل
اُحِلّ لکم الطیبات

تم پر حرام ہے مردار کا اور خون کا کھانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی طرح لاٹھی سے مارا ہوا جانور۔ سینگ لگنے سے مرا ہوا۔ درندے کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر یہ لوگ پوچھیں۔ کہ پھر کھائیں کیا۔ تو جواب یہ دو۔ کہ دنیا کی تمام پاک چیزیں کھاؤ
کیا لطیف جواب ہے ۔ خدا تعالیٰ اگر ہم پر بعض چیزیں حرام کرتا ہے ۔ تو نہ اس لئے کہ ہم ان چیزوں کو مقدس یا اپنا خدا جانتے ہیں۔ یا یہ کہ خدا بیوجہ اندھا دھند اپنی مرضی ہم سے منوانا چاہتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ جو چیزیں پاک نہیں۔ اُن سے بچنا چاہئے اور معاملات اکل و شرب میں ناپاک چیزیں ان کو کہا گیا۔ جو جسم اخلاق اور روح کو کسی رنگ میں مضرت رساں ہوں۔ چونکہ خون انسانی صحّت کے لئے ازبس نقصان دہ ہے۔ اس لئے مندرجہ بالا فہرست میں جن جانوروں کو ہم پر حرام کردیا ہے۔ اسکی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ ان کی موت اخراج خون سے نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ایسے طریق پر ہلاک ہوتے ہیں۔ کہ ان کا خون منجمد ہوکر گوشت کا حصہ ہوجاتا ہے۔ انگلستان میں بعض مسلم دوستوں نے ہم سے پوچھا ۔ کہ قرآن میں تو ذبیحہ کا ذکر نہیں۔ پھر ذبیحہ کی کیا ضرورت ہے ۔ وہ انہیں آیات پر غور کریں۔ اور یاد رکھیں۔ کہ ان تمام حرام کردہ چیزوں کی اصلی وجہ حیوانی خون کا ان میں سرایت کرجانا ہے۔ اور خون قرآن نے طبی اصول پر حرام

کر دیا ہے۔ آج کل عام طور پر مختلف امراض جسم کا باعث یورپ میں ایسے دانت اور مسوڑھے بتلائے جاتے ہیں۔ کہ جن سے خون یا پیپ جاری ہوتی ہو۔ کیونکہ خوراک کے ساتھ خون اور پیپ معدہ میں جا کر امراض مختلفہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس مرض کو پائلی اوریا کہتے ہیں۔ وجع المفاصل۔ نقرس۔ سوء الہضم۔ جگر اور معدہ کی خرابی الغرض بیسیوں امراض کے علاج کے لئے وہاں کے ڈاکٹر سب سے پہلے دانتوں اور مسوڑوں کو دیکھتے ہیں۔ اور جس کے مسوڑوں سے خون یا پیپ نکلے۔ اُسے ان امراض کا اصلی باعث ٹھیرا کر دانتوں کے نکلوانے کا فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔ جوان بچے بوڑھے سب اس دانتوں کے مانیہ میں پھنس گئے ہیں۔ آئے دن دانت نکالے جاتے ہیں۔ بہر حال یہ امر تو صحیح ہے۔ کہ اگر دانتوں یا مسوڑوں سے خون جاری ہو۔ تو اُس کا معدہ میں جانا بہت سے فسادات جسم کا موجب ہے لیکن کیا تماشہ ہے۔ کہ یہی قوم جو بچوں تک کے دانت نکلوا کر ان کو مصنوعی دانت اس لئے دیتی ہے۔ کہ کھانے کے وقت پیپ یا حیوانی خون غذا کے ساتھ مل کر معدہ میں نہ جاوے۔ اسی قوم کی رکابیوں میں جو گوشت کھانے کے لئے آتا ہے۔ اُس گوشت میں تہ بتہ خون موجود ہوتا ہے۔ کیونکہ جانوروں کو اس

جھٹکہ کی مخالفت

طریق پر مارا جاتا ہے۔ کہ کافی خون اس میں سے نہیں نکلتا۔ جھٹکہ کردہ جانور بھی اسی لئے اسلامی خوراک میں شامل نہیں۔ کہ اس طریق سے پورا پورا خون مذبوحہ سے خارج نہیں ہوتا۔ الغرض حیوانی خون زہریلے مواد سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے کسی طبیب کو انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر کیوں یورپ میں بعض گوشتوں کو اس مزے سے کھایا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کھانے کے وقت خون نکلتا ہے۔ اس کا شوربا بالکل خون سے مملو ہوتا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے۔ کہ یوروپین کام وہاں

اس کے خاص ذایقہ کے عادی ہو چکے ہیں۔ اور اب بلا ذایقہ نہیں رہ سکتے۔ اب اگر یہ مذکورہ بالا بحث درست ہے۔ تو کیا انسان کی علمی بحثیں اُس کو اس کے مضرات سے روک سکیں۔ یہ کہہ دینا تو بہت آسان ہے۔ کہ قرآن ہم کو بیوقوف اور کندہ ناتراشیدہ قرار دیتا ہے۔ جب کہتا ہے۔ کہ یہ کھاؤ اور یہ نہ کھاؤ۔ اول تو قرآن چونکہ کل طبقات عالم کی راہنمونی کے لئے آیا۔ ہزارہا طبقات انسانی ابھی موجود ہیں۔ جن کو ان ہدایات کی ضرورت ہے۔ لیکن شراب اور خون کے معاملہ میں کیا واقعی انسان اس وقت باوجود علم کے جاہل نہیں تربیت وتہذیب پانے پر بھی وہ کندہ ناتراش نہیں۔ وہی عادات بد جس کا وہ خوگر ہو گیا ہے۔ اب اس کی فطرت ثانیہ ہو گئی ہیں۔ اور اس بات کے احساس پر بھی کہ بعض اشیاءٗ سخت مضر ہیں۔ وہ اُن کے استعمال سے باز نہیں آتا۔ پھر خدا کی کتاب کیوں ایسے وجود کو بیوقوف اور جاہل سمجھ کر اس کی رہنمونی نہ کرے۔ جب ہم دانش مند ہونے پر نادان نہیں اور صاحب عقل ہو کر بے عقلوں کا کام کریں۔ تو کیوں الہام آلہی بچوں کی طرح ہمیں حکم نہ دے۔ کہ یہ کھاؤ اور یہ نہ کھاؤ ؛

غسل جنابت ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ ان آیات میں اکل وشرب کے علاوہ جس تیسری چیز کی طرف ہمیں متوجہ کیا گیا ہے۔ وہ عام صفائی جسم ہے۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ صفائی اور طہارت گویا ربانی زندگی سے دوسرے درجہ پر ہے۔ آج کل مہذب اقوام نے کئی قسم کے ہائی جینک قوانین قایم کر کے صفائی جسم اور طہارت پر ازحد زور دیا ہے لیکن کیا عجیب بات ہے۔ کہ کسی ایک کو بھی اُس ضروری طہارت کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی اس ناپاکی کو جسم سے دور کرنے کا خیال کرتا ہے جس سے ایک متاہل انسان بچ نہیں سکتا ؛

وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّھَرُوْا

جب تم عورت کے نزدیک ہو تو پھر تو ضرور غسل کر لیا کرو

موسم گرما کے رہنے والے تجربتہً اس امر سے واقف ہیں۔ کہ ہم فطرتاً ان ایام میں نہانے پر خصوصاً مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کا باعث وہ بار بار کا پسینہ ہوتا ہے۔ جو مختلف زہریلے مواد کو ہمارے جسم سے خارج کر کے ہمارے جسم پر ایک زہریلی تہ جما دیتا ہے۔ ہم غسل کر کے اپنے جسم کو ہلکا پھلکا پاتے ہیں۔ حالانکہ وہ میل جو ہمارے جسم سے الگ ہوتی ہے شاید چند ماشہ اپنے وزن میں نہ ہو۔ لیکن نہانے کے بعد ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم پر سے منوں بوجھ اُتر گیا۔ یہ منوں بوجھ اُس زہر کا ہوتا ہے۔ جسے پسینہ خون سے باہر نکال لاتا ہے۔ متاہل لوگ خوب جانتے ہیں۔ کہ ہم خاص حالات میں کس طرح بعض وقت پسینہ سے شرابور ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے موسم سرما میں بعض وقت ہم پسینہ کو محسوس ہی نہ کریں لیکن اطبّا اس امر کے قایل ہیں۔ کہ ایسے وقت میں ہمارے جسم کے ہر ایک حصّہ کے مسام کھل کر اندر سے بہت سے زہریلے مواد کا اخراج کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک قوی ہیکل وجود بھی بعض وقت اپنے آپ کو کسلمند پاتا ہے۔ اور یہ امر تو کسی دلیل کا محتاج بھی نہیں۔ ہر ایک متنفس تجربہ پر اس حکم آلہی کی قدر کر سکتا ہے۔ کہ جنابت کے بعد غسل کیسی راحت کا موجب ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو بعض وقت اس یوروپین تہذیب اور وہاں کے جنونِ تہذیب پر ہنسی آتی ہے۔ ایک طرف تو اس قدر صفائی کا زور کہ انسان کا ہاتھ جس خوراک کو لگ جاوے۔ وہ خوراک حرام ہو جاتی ہے۔ کھانے کے وقت چھری کانٹے اور چمچے کا استعمال اس لئے ہوتا ہے۔ کہ انسانی ہاتھ نہ لگے۔ کیونکہ وہ زہریلے جراثیم جو جسم سے نکلتے رہتے ہیں۔ وہ خوراک کو زہریلا نہ کر دیں۔ حالانکہ یہ زہریں جو پسینہ

کے ذریعہ جسم پر آتے ہیں۔ وہ ان جراثیم کے مقابل کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ جن سے حیوانی خون مملو ہوتا ہے۔ اور یہ وہ خون ہے۔ جسے شیر مادر کی طرح یہ لوگ کھاتے ہیں ایسا ہی جنابت کی حالت میں کروڑ در کروڑ زہریلے مواد جسم پر آجاتے ہیں۔ ان کو جسم سے الگ کرنے کا کبھی خیال تک نہیں آتا۔ کیا ہمارے مسام اور بالوں کے اندر جو سوراخ ہوتے ہیں۔ اُن سے زہریلے مواد ہر دم خارج نہیں ہوتے۔ اور ہمارے بال زہر سے بھرے نہیں رہتے۔ بالوں کی صفائی پر تو اسی لئے زور دیا جاتا ہے۔ لیکن کیا مضحکہ آمیز امر ہے۔ کہ وہ لوگ جو بالوں کی صفائی پر اس قدر زور دیتے ہیں۔ جو اشیائے خوردنی کو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہتے۔ وہی انسان کھانے کے وقت اپنی خوردنی اور نوشیدنی چیزوں کو اس زہر سے ناپاک کر دیتا ہے۔ جو اُسکی مُوچھوں کے بال جسم سے ہر دم نکالتے رہتے ہیں۔ کیا ضروری نہیں۔ کہ جسم کے ان نابدانوں کو جن کے ذریعہ جسم اپنے اندر سے گندی چیزیں خارج کرتا ہے۔ اُن کو اس قدر کاٹ دیا جاوے کہ ہماری خوردنی نوشیدنی چیزیں ان کے مضرات سے بچ جاویں۔ اسی لئے شارع اسلام نے حکم دیا کہ موچھوں کے بال اس قدر کاٹ دو۔ کہ وہ تمہاری لبوں سے اوپر رہیں۔ اور کھانے پینے کے وقت اشیاء خوردنی و نوشیدنی کو زہریلہ نہ کر دیں۔ پھر اس کے علاوہ موچھوں کے بال بہت سے بکیٹریا (جراثیم) اپنے اندر جمع کر لیتے ہیں جو خوراک کے ذریعہ جسم میں چلے جاتے ہیں۔ کیا تماشہ ہے۔ ایک طرف تو بکیٹریا سے ایسا گھبراؤ۔ کہ خوراک کو ہاتھ تک نہ لگے۔ اور دوسری طرف موچھوں کے ذریعہ لاتعداد بکیٹریا سے خوراک کو زہریلہ کر لیا جاتا ہے ❖

موچھوں کا اسلامی طرز پر کاٹنا

الغرض ایک عالم گیر اور کل انسانی ضروریات پر حاوی الہامی کتاب وہی ہوسکتی

ہے۔ جس کے ماتحت انسان کو ادنےٰ درجہ کی حالت سے نکال کر تہذیب کے معراج تک پہنچایا جاوے۔ اور جس منزل اور مقام کو وہ طے کرنے لگے۔ اس کی ہدایت کے لئے اس کتاب میں کوئی نہ کوئی تعلیم موجود ہو۔ یہ وہ امر ہے۔ کہ جو قرآن کے سوا کسی اور کتب مقدسہ کے حصہ میں نہیں آئی۔ اور در اصل اسی امر کا ثابت کرنا ہماری اس کتاب کا موضوع ہے۔ وید مقدس ایک قدیم کتاب ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ یہ ایک قوم کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہو۔ لیکن بدقسمتی سے یہ وہ خزانہ ہے۔ کہ جس کی کنجی گم ہو چکی ہے۔ ہزاروں برس سے اس کی زبان اس ملک سے مفقود ہو چکی ہے۔ اسکی مروجہ تشریحات و تفاسیر ایک دوسرے سے سخت متضاد ہیں۔ جس کی وجہ زیادہ حد تک زبان کی ناواقفیت ہے۔ بہرحال یہ کتاب بھی ہدایات انسانی اپنے اندر رکھتی ہے۔ ہاں اس کی ہدایات اسی طبقہ انسانی کے مناسب حال ہونگی۔ جو اس کے نزول پر موجود تھا۔ اس امر کے تشخیص کرنے کا ایک سہل طریق ہے۔ یہ جو اللہ تعالےٰ

کسی قوم کی دعائیں۔ اس کی تہذیب کا ایک عمدہ معیار ہیں

سے ہم دعا مانگا کرتے ہیں۔ یہ بھی در اصل ہماری تربیت و تہذیب کی شناخت کا ایک عمدہ مقیاس ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہمارے جذبات اور ضروریات ہماری تہذیب و ترقی کا آئینہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ جذبات اور ضروریات ہمیشہ نواحی حالات یعنی ہمارے ماحول سے کامل طور پر رنگین ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں ہمارا نصب العین اور مطمح نظر بلند ہوتا جاتا ہے۔ توں توں ہمارے مطالبات اور ضروریات بھی بلند ہوتے جاتے ہیں۔ انہیں کے دفعیہ کا اظہار دعا ہوتی ہے۔

الغرض کسی قوم کی خواہشیں اور دعائیں۔ اس قوم کے نواحی حالات اس کے ماحول اور اس کی تہذیب و ترقی کے مدارج کا ایک عمدہ آئینہ ہوتی ہیں۔ میں نے تو اس نگاہ

سے آنحضرت صلعم کے ماثورہ دعاؤں کو اور ایسا ہی قرآنی دعاؤں کو بغور پڑھا۔ اور مجھے تو آنحضرت صلعم کے روح پرفتوح انسانیت کی اس بلند چوٹی پر متمکن شدہ نظر آئے۔ کہ اس کے آگے جو کچھ بھی ہو۔ وہم ہی وہم ہے۔ یہ ایک لطیف مضمون ہے۔ جو بذات خود ایک لمبی بحث کو چاہتا ہے۔ جس کو انشاء اللہ ہم ایک جداگانہ کتاب میں لکھیں گے ۔

ویدکی دعائیں | ہاں اس معیار حقیقت کو سامنے رکھ کر جب میں نے ویدکی دعاؤں پر غور کیا تو مجھے ویدک سبھیائی کا وہ رنگ علی العموم نظر آیا۔ جو جناب ہود اور جناب نوح علیہما السلام کی قوموں کی تہذیب کی صورت تھی۔ جیسے کہ قرآن کی ذیل کی دعاؤں سے نظر آتا ہے۔

یٰقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم۔ **ترجمہ**۔ اے قوم اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگ اور اس کے آگے توبہ کر کہ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے اور تمہاری طاقت اور قوت بڑھاوے (سورہ ہود)۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا **ترجمہ** اور میں نے اپنی قوم سے کہا۔ اپنے گناہوں کی معافی اپنے رب سے مانگو۔ وہ بڑا بخشنے والا خدا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش برساوے گا۔ تمہاری اولاد تمہارا مال بڑھاوے گا۔ اور تمہارے لئے باغ اچھے لگاوے گا۔ اور تمہارے لئے نہریں جاری کریگا (سورہ نوح) کیا ان دعاؤں پر غور کرنے سے اس کا پتہ لگا لینا کوئی مشکل امر ہے کہ جناب ہود علیہ السلام اور جناب نوح علیہ السلام کی قومیں کس مدارج تہذیب پر تھیں۔ وہی کسانی زندگی وہی بارشوں کی ضرورت اور خواہش۔ وہی فصلوں کا اچھا ہونا۔

دہی مال مویشی کی کثرت کی ضرورت۔ وہی دشمنوں سے بچنے کے لئے اپنی اولاد کی بہتات اور قوت۔ وہی جوہڑوں اور دریاؤں کا پانیوں سے معمور ہونا۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ انہیں باتوں کی ہم سب کو ضرورت ہے۔ لیکن وہ انسانی سوسایٹی کا کونسا حصّہ ہے۔ جس کی نگاہ آٹھوں پہر ان چیزوں پر پڑتی ہے۔ ویدمیں اور دعائیں بھی ہیں۔ لیکن اگر ابتدائے ویدک شرتیوں کی عموماً یہی صورت ہے۔ یعنی فصلوں کی عمدگی۔ بارشوں کا بروقت ہونا۔ مویشیوں کی بہتات۔ گؤں کو دودھلیں ہونا۔ دشمنوں کے ہاتھ سے فصلوں کا بچانا وغیرہ وغیرہ بہرحال تو یہ شرتیاں اس سوسائٹی کا پتہ دیتی ہیں۔ کہ جس کا تعلّق کھیتی باڑی سے ہوتا ہے۔ ہاں جب وید کے پرستاروں میں اور ان کے دشمنوں میں جنگ چھڑ گئی۔ تو پھر شام ویدمیں جنگ میں کامیابی کی دعائیں پائی جاتی ہیں۔ اور اپنے افسران فوجی کے گن گائے جاتے ہیں۔ جنگوں کے بعد جب اور امن اور سکون کی صورت ہوئی۔ تو پھر یجر ویدمیں بعض حرفتوں اور تجارتوں کا بھی ذکر آجاتا ہے۔ اس کے بعد جب آریہ ورت پر تعیش کا زمانہ آجاتا ہے۔ تو اس کا رنگ ہمیں اتھرون ویدمیں نظر آتا ہے۔ الغرض جہاں تک ہم نے وید کا اس نگاہ سے مطالعہ کیا۔ ہمیں یہی نظر آیا۔ کہ ویدک الہام مختص الوقت و مختص القوم تھا۔ جس طبقہ اور حیثیت کے لوگ اس کے مخاطب تھے۔ ان کی اصلاح کے لئے یہ کتاب بہترین ہدایت نامہ لائی ہے۔ نہ تو ان طبقات انسانی کا اس میں لحاظ کیا گیا۔ جو وید کے مخاطبین سے تہذیب و تمدن میں ادنیٰ تھے۔ اور نہ ان کا جو ان سے اعلیٰ مقام پر تھے یا امکاناً کسی آیندہ زمانہ میں ہو سکتے تھے۔ یہی حالت دراصل ہر ایک الہامی کتاب کی ہے۔ ہاں ان سب کتابوں میں سے اگر کسی کو ہمہ گیری کے اصول پر امتیاز ہے

تو قرآن ہی ہے ۔

ابتدائی منازل تہذیب کے لئے قرآنی احکام کا تو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ رہا اعلیٰ طبقات کے لئے قرآن کی تعلیم۔ سو پیش ازیں کہ کوئی کتاب ان طبقات عالم کو اصلاح کے لئے اپنی طرف بلائے ضروری ہے۔ کہ وہ ان طبقات کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اور وہ وجوہ اپنے اندر رکھے جن سے اس کی تعلیم عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاوے مختلف لوگوں کے منوانے کے طریق مختلف ہوتے ہیں۔ ہم اپنے مخاطب کی استعداد کے لحاظ سے اپنے مطالب اس کے ذہن میں مرتسم کر سکتے ہیں کہیں ترغیب کہیں ترہیب۔ کہیں طمع اور کہیں خوف سے کام نکالا جاتا ہے۔ لیکن جب ہمارے مخاطب مہذب العقل ہو جاتے ہیں۔ تو ان کو کسی امر کا قایل کرنے کے لئے عقلیہ دلایل کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ایام ماسبق میں زیادہ تر رضا و تسلیم کا رنگ تھا۔ وہ زمانہ چنداں دلایل کا محتاج نہ تھا۔ فوق العادت امور کا ظہور امور دینیہ کے منوانے کیلئے اسوقت کافی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج تو ہم اس زمانہ میں ہیں۔ جب یہ سب کے سب طریق بے سود ہو گئے ہیں۔ ایک وقت کسی بات کے منوانے کے لئے اُسے حکم آلٰہی یا الہام کی طرف منسوب کر دینا کافی تھا۔ آج وہ وقت ہے کہ کوئی شخص کسی امر کو بلا دلیل ماننے کے لئے طیار نہیں۔ یوں تو ہر مذہب و ملّت میں معمولی عقل کے انسان کثرت سے ہوتے ہیں۔ جو اپنے آبائی اجدادی مذہب کو بطور ورثہ و رسم قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے اصول ملیہ کو عقل کے معیار پر پرکھنے کی تکلیف نہیں کرتے۔ بلکہ عقل و مذہب کو دو الگ الگ چیزیں سمجھ کر عقل کے مطالبہ سے بچ جاتے ہیں در اصل ایسے لوگ ایک قسم کی کمزوری اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان کی معقول پسند طبیعت معاملات مذہب میں

ان کی قدامت پرست فطرت پر غالب نہیں آسکتی۔ ان کی عقل جب ان کے بعض عقاید مذہبی سے مطمئن نہیں ہوتی۔ تو وہ یہ کہہ کر اپنی تسکین کر لیتے ہیں۔ کہ عقل کو مذہب میں دخل نہیں۔ کوئی نہیں سمجھتا۔ کہ عقل بھی اس خالق کا عطیہ ہے جس نے ہماری اصلاح کے لئے الہام بھیجا ہے۔ پھر اگر یہ دونوں باتیں ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہیں۔ تو ان میں تخالف و تضاد کا ہونا ایک بمعنی امر ہے۔ اور حق اللہ امر تو یہ ہے۔ کہ جس مذہب میں معقولیت نہیں۔ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ بہر حال کوئی قوم و ملت ایسے افراد سے بھی خالی نہیں جو کسی امر غیر معقول کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ قوائے عقلیہ اس وقت چمک اٹھی ہیں۔ اور قوت استدلالی ان دنوں زوروں پر ہے۔ اور جیسے ابھی کہا گیا۔ کہ ہر مذہب و ملت کے پرستاران اصحاب سے خالی نہیں۔ لیکن یہ بزرگ مذہب کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں ہاں یہ امر یقینی ہے۔ کہ ان میں سے جس نے جب کبھی اپنے مذہب کو عقل کی روشنی میں دیکھا۔ وہ یقیناً اپنے مذہب سے بیزار ہو جاوے گا۔ جس مذہب کے عقاید عقل و ادراک کے تسلیم کردہ ہونگے۔ صرف اس مذہب کا بول بالا ہوگا اس سے ان ایام علم و عقل میں مذہب کی کساد بازاری ہو رہی ہے۔ تمام کتب مقدسہ میں اخلاق اور روح کی پرورش کے لئے کچھ نہ کچھ قواعد ضرور موجود ہیں۔ تہذیب و تمدن کی باتیں بھی ہر جگہ پائی جاتی ہیں لیکن ہمارا زمانہ اپنے لئے آپ اصول تلاش کرنا چاہتا ہے۔ وہ مذہبی باتوں سے متنفر ہو چکا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ مذہب اگرچہ انسان کی ترقی و تہذیب کے لئے ہی آیا۔ لیکن مذہب نے انسانی بہبودی و فلاح کے قواعد منوانے سے پہلے چند عقاید تعلیم کئے ہیں۔ جن عقاید کا ماننا ہی اس مذہب کی دوسری

عقل اور مذہب ہر دو خدا داد عطیے ہیں اس لئے ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا

تعلیم کو قابل عمل کر دیتا ہے۔ یہ عقاید مختلف مذہبی کتب میں بطور امور مثبتہ پیش کئے گئے

زمانہ حال کے مطابق ناطق الہام کی خصوصیات

ہیں لیکن زمانہ حال اُن عقاید کے تسلیم کرنے کیلئے اُن کو معقولیت کے لباس میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ہم کسی الہام کو ناطق قبول نہیں کر سکتے جب تک اُسکی تعلیمات کو عقل و منطق سے مزین نہ پاویں۔ مذہبی کتاب جن فلاح و بہبودی کے قوانین کی تعلیم کرتی ہے۔ انہیں وہ منجانب اللہ ٹھیراتی ہے۔ اُن کا بذریعہ الہام دنیا میں آنا بتلاتی ہے ان کیلئے الہام کا مورد کسی انسان کو ٹھیراتی ہے۔ ہم ان قوانین پر غور کرنے سے پہلے خدا۔ الہام۔ اور رسالت کے وجود کو عقلیہ طور سے قبول کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ہر ایک الہامی کتاب ہمیں بعض نئے عقاید تعلیم کرتی ہے۔ اور بعض ہماری قدیمی مانی ہوئی باتوں پر پانی پھیرنا چاہتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ جہاں اس کتاب میں اُن عقاید کے ثبوت میں دلایل بیّنہ موجود ہوں جو وہ خود تعلیم کرتی ہے۔ وہاں ان امور کی تردید میں بھی عقلیہ براہین ہوں جن کو وہ زمانہ سے مٹانا چاہتی ہے۔ الغرض مکمل اور عالمگیر الہامی کتاب فی زمانا وہی ہو سکتی ہے۔ جو اہل عقل کو معقول کرنے کے سامان اپنے اندر رکھتی ہو۔ وید اُسی صورت میں الہامی کتاب سمجھی جاوے گی۔ جب اس میں اُن اصولوں کے منوانے کے دلایل موجود ہوں۔ جو اس کے پرستار دنیا میں پرچار

وید یا دیگر کتب کن وجوہ پر عالمگیر الہام کہلا سکتی ہیں

کر رہے ہیں۔ اسی طرح اس میں اُن عقاید کا کھنڈن بھی بدلایل موجود ہونا چاہیئے۔ جو خلاف تعلیم وید۔ دیگر مذاہب اس وقت تعلیم کر رہے ہیں تب ہر ایک انسان وید کے ان قوانین پر غور کر سکے گا۔ جن سے تہذیب انسانی منصور ہے۔ مثلاً سب سے پہلے وید ایک بار ربتعالیٰ کی ہستی کا پتہ دے۔ اور پھر اُس کے وجود کے ثبوت پر دلایل پیش کرے۔ پھر جو صفات باری ہمیں وید منوانا

چاہتی ہے۔ اُن کو صحیفہ قدرت سے ہم پر واضح کرے۔ پھر یہ منوائے۔ کہ وہ شرب شکتیمان پرم برہم ہستی باوجود لاشریک ہونے کے دُنیا کا خالق و مالک نہیں۔ بلکہ قدامت میں اپنے ساتھ مادہ اور روح کو شریک رکھتی ہے۔ جیسے اُسکی ذات قدیم ہے۔ ویسی ہی روح اور مادہ اس کے ساتھ بمعہ جمیع خواص خود قدیم ہیں۔ اور وہ پرم ایشور محض ان چیزوں کو ترکیب دینے والا ہے۔ وید بدلایل اس بات کو بھی ہم پر روشن کرے۔ کہ جب حسب تعلیم وید مادہ اور روح میں خود ایک کو دوسرے کے ساتھ ترکیب پا جانے کی بذات خود خاصیت موجود ہے۔ تو پھر اس خاصہ کا ظہور کیوں تیسرے ہاتھ کا محتاج ہے۔ اور پھر جب وہ خدا ان کا خالق مالک نہیں۔ تو کس طرح ان قدیم اور خود بخود پیدا شدہ اور اپنے ہی خواص کے تقاضوں کے پورا کرنے والی ہستیوں پر اُسکو حکومت کا حق حاصل ہے۔ ہم اس بات کے دلائل کے بھی محتاج ہیں۔ کہ کیوں ہم ایک آریہ کو دہریہ نہ کہیں۔ کیونکہ ایک دہریہ بھی تو مادہ اور اس کے خواص کو قدیم سمجھتا ہی ہے۔ مادہ کی امتزاجی خواص اور اس کی خود بخود ترکیب پا جانے کا بھی قایل ہے۔ اور اگر خدا کا فعل صرف ترکیب ہی دینا ہے۔ تو پھر دہریہ صرف اس ضرورت کیلئے کسی اور ہستی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ وید ہمیں جہان اس وحدہٗ لاشریک کی سلطنت میں دیوی دیوتا کی شرکت اور مورتی پوجن کا عقیدہ بدلایل باطل کرکے دکھلائے۔ وہاں یہ بھی بتلائے کہ کیوں ایک انسان مثلاً مسیح جو اپنی پیدایش اور زندگی اور معاملہ موت میں دوسروں سے نرالا انسان سمجھا گیا ہے۔ وہ الوہیت کے تخت پر خدا کے ساتھ ایک ہی وقت نہیں بیٹھ سکتا۔ نجات کے معاملہ میں جہاں ویدکی شرتیاں اس عقیدہ کے رد میں سنائی جاویں۔ کہ جس کے ماتحت انسان کی طبعی گنہگاری کے

مقابل خدا کا رحم اُس کے عدل پر غالب آکر اپنے اکلوتے بیٹے کی مصلوبیت کا متقاضی ہُوا۔ وہاں یہ بھی بدلایل سمجھایا جاوے۔ کہ انسان کسی صورت میں نجات ابدی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ آواگون کے چکّر میں پڑا ہُوا ہے۔ اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا کے لئے کسی آیندہ زندگی میں بہشت اور دوزخ کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ اُسے اسی ہی دنیا میں وہ اپنے کرموں کی سزا بھگتنے کے لئے آتا ہے۔ اور آخر کار ہمیں آریہ بھائی یہ بتلائے۔ اور اس مطالبہ میں ہمارے ساتھ کل سناتن بھائی شریک ہوں گے کہ وید کا کونسا فلسفہ ہے۔ کہ جس کے سمجھ آجانے پر ہم سے وہ خیالات دور ہو جاویں۔ اور اُن احساس کا مادہ بھی مر جاوے۔ جو ہمیں رسم نیوگ سے متنفر کرا رہا ہے ؛

یہ بہت ہی موٹے موٹے عقاید ہیں جن کا مَیں نے ذکر کر دیا۔ والّا ہر ایک ملت و مذہب میں ان عقاید کے ماتحت اور کئی شاخیں اور اُن شاخوں کی آگے شاخیں ہیں مَیں نے یہ ایک آسان راہ نکال دی۔ آج ہی جا کر وید مقدس کو دیکھو۔ اور تلاش کرو کہ ان مطالبات کا کہاں تک اُس میں جواب ہے۔ اسی طرح قرآن کے سوا ہر ایک اہل کتاب مثلاً عیسائیوں سے بھی ہم مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی کتاب کو کھولیں۔ اور اس میں دیکھیں۔ کہ کہاں تک اُس میں ایسے دلایل موجود ہیں۔ کہ جن سے وہ اپنے موجودہ عقاید کو منوا کر دوسروں کے عقاید مختلفہ کی تردید کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں۔ کہ ہر ایک شخص اپنے عقیدہ کی تائید میں کوئی نہ کوئی دلیل رکھتا ہے۔ اور جب وہ کسی عقیدہ مخالف کی تردید کرتا ہے۔ تو عقلیہ دلایل بھی دیتا ہے۔ لیکن ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ جو کتاب اپنے مکمل ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اور اپنے وجود کے ساتھ دوسری کتاب کی عدم ضرورت ثابت کرتی ہے۔ وہ سب سے اول کھلے کھلے الفاظ میں اُن

عقاید کو خود پیش کرے۔ جن کو وہ منوانا چاہتی ہے۔ اور پھر ان عقاید کی واضح طور سے تردید کرے۔ جن کی وہ بیخ کنی کرنا چاہتی ہے۔ اور پھر ان ہر دو امور میں دلایل کا التزام رکھے۔ اور پھر وہ دلایل عقلیہ اس میں خود بخود ہوں۔ ان دلایل کا ماننا یا نہ ماننا سوال دوسرا ہے۔ ہم فقط اُن دلایل کو جو رات دن عیسائی صاحبان آریوں اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ انجیل میں اور ان دلایل کو جو آریہ صاحبان اپنے معتقدات کے ثبوت میں اور عیسائی اور اسلامی عقاید کی تردید میں۔ روزانہ پیش کرتے ہیں۔ وید کے الفاظ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے۔ کہ خدا کی کتاب پر مدعی سُست اور گواہ چُست کا مقولہ صادق آوے۔ خود وید اور انجیل تو ان دلایل سے خالی ہوں۔ اور اُن کے پرستار ان کتابوں کے نقصوں کو اپنی گرہ سے پورا کریں۔ میں تو ایک ایسی کتاب کو کس اور خدا کا آخری الہام کہوں گا۔ جس کی شان میں یہ الفاظ صادق آ سکیں۔ کِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ عَلِيْمٍ خَبِيْرٍ تِبْيَانٌ لِكُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی

وہ کتاب جو اپنے اصولوں کو پہلے محکمات کے طور پر پیش کرے۔ اور اسکی تفسیر عالمانہ طور سے کرے۔ اور اگر کوئی امر ایک جگہ برنگ دعویٰ پیش کیا ہے۔ تو دوسری جگہ اس کے بین دلایل دے۔ جس چیز کا کھنڈن منظور ہو۔ وہ دلایل سے ہو۔ اور جس کا منڈن کرنا ہو وہ بھی دلایل سے ہو۔ ہم نے اس نگاہ سے وید کو دیکھا۔ اس میں کسی اور کے عقیدے کا کھنڈن تو کیا۔ خود ان عقیدوں کا پتہ تک نہیں چلتا۔ جس پر آریہ سماج آج زور دیتی ہے۔ مثلاً تناسخ یا قدامت عالم۔ اس میں شک نہیں۔ کہ انجیل میں تناسخ کی بین تردید اور وید میں الوہیت و کفارہ مسیح کا بطلان

برنگ دلایل تو درکنار۔ بطور دعویٰ بھی موجود نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا ہونا دراصل محالات عقلی میں سے ہے۔ اور اگر ایسا ہو تو یہ ایک قسم کا anachronism ہوگا۔ کیونکہ وید کا وجود ایک ایسے وقت میں آیا جب الوہیت مسیح اور کفارے کا مسئلہ انسان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

انجیل مسلمۂ ناقص ہے

جناب مسیح خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی تعلیم کو ناکمل چھوڑ گئے۔ ذیل کے الفاظ انجیل یوحنا باب ۱۶ میں اسی امر پر دلالت کرتے ہیں:۔

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ میرا جانا تمہارے لئے فایدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ تسلی دہندہ تمہارے پاس نہ آوے گا۔۔ .... مجھے تم سے اور باتیں بھی کہنی ہیں۔ مگر اب تم اُن کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا۔ تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا۔ لیکن جو کچھ سنے گا۔ وہی کہے گا"۔

یہاں خود جناب مسیح معترف ہیں۔ کہ بہت سی معرفت کی باتیں اُن سے رہ گئیں۔ اُن کے مخاطب اپنی ضعف عقل و ایمان کے باعث کسی اعلیٰ اور بلیغ تعلیم کے دراصل متحمل نہ تھے۔ اور اس امر کی شکایت جناب مسیح کو ہمیشہ ان سے رہی چنانچہ ان آیات میں مسیح اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ جب جناب مسیح کے ایام رحلت قریب آگئے۔ اور تعلیم بھی ناقص رہ گئی۔ تو آپ نے تکمیل تعلیم کے لئے کس آنے والے کی خبر دی۔ یہ وہ امر ہے۔ کہ جس سے کسی واقف انجیل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہاں تشریحاً جواب میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ان آیات کا مشارٌ الیہ کوئی انسان نہیں

بلکہ ان سے مراد خود روح القدس ہے۔ جس نے مسیح کے بعد نازل ہو کر کلیسیا کو معمور کیا۔ اور اس طرح خود کلیسیا تعلیم مسیح کے نقصوں کی تکمیل کی ذمہ دار ہوگیا۔ یہ تشریح بالبداہت غلط ہے۔ اس سے تو لازم آتا ہے۔ کہ جناب مسیح کے ایام بعثت میں دنیا پر روح القدس نہ آئی تھی۔ بلکہ اُس کا نزول بعد میں ہونا تھا۔ مسیح کے الفاظ کہ "میرا جانا تمہارے لئے فایدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں۔ تو وہ تسلی دہندہ تمہارے پاس نہ آوے گا" صاف ظاہر کرتے ہیں۔ کہ آنے والا روح۔ مسیح کے زمانہ میں موجود نہ تھا۔ اُس کا آنا مسیح کے چلے جانے سے ہی وابستہ تھا۔ اگر عیسائی کلیسیا کی اس توجیح کو قبول کر لیا جاوے۔ تو مسیح کا روح القدس سے معرّا ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ مسیح کے الفاظ صاف ہیں۔ وہ ایک کمی کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ اس نقص کی تکمیل ایک روح حق کی آمد پر وابستہ کرتے ہیں۔ جس کا ظہور ان کے بعد ہوگا۔ اگر اس روح حق سے مراد روح القدس ہے۔ تو پھر اس کا ظہور مسیح کے بعد ہوگا۔ جس سے یہ سمجھ آتی ہے۔ کہ مسیح کا زمانہ روح حق سے معاذ اللہ بالکل خالی رہا۔ اور مسیح کے ایام میں روح القدس کبھی نازل نہیں ہوا۔ اور مسیح اس روح حق یا روح قدس سے بے نصیب رہا۔ لیکن ایسا عقیدہ معاذ اللہ مسیح کی نبوت پر ایک خطرناک داغ لگاتا ہے۔ چہ جائیکہ اُنہیں صاحب الوہیت سمجھا جاوے۔ اور یہ تو تعلیم انجیل کے صریح برخلاف ہے۔ روح القدس تو بقول انجیل متی اس وقت مسیح پر نازل ہوئی۔ جس دن اس نے یوحنا سے بپتسمہ پایا۔ پھر یہ امر بھی کسی کے خیال میں نہیں آتا۔ کہ جناب مسیح سے پہلے جب کبھی احکام یا عرفان الٰہی دنیا میں لانے کے لئے روح القدس نازل ہوئی۔ وہ ایک جماعت پر نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کا نزول ہمیشہ ایک انسان پر ہوا۔ ایک انسان

ہی ایک وقت ہمیشہ منشاء ربی کے اظہار کا ذریعہ ٹھیرا۔ نہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایک جماعت کو کسی وقت منتخب کیا۔ اور اُن پر اپنی منشاء یا شریعت یا اپنے علوم منکشف کئے۔ یہ ایک مستمرہ سنت آلہی ہے۔ ایک جماعت نے ایک وقت نبوت کا جامہ نہیں پہنا۔ ہر ملک و قوم میں ہر مذہب کا معلم یا مورد الہام ایک ہی ہوُا۔ ان حالات کے مقابل اب یہ کیوں یقین کیا جاوے۔ کہ مسیح جن علوم کو خود نہ سکھلا سکا۔ ان علوم کا لانے والا ایک انسان نہیں بلکہ ایک جماعت ہوگی۔ لیکن اگر یہ بھی فرض کرلیں۔ کہ اس روح القدس کا مورد عیسوی کلیسیا نے ہونا تھا۔ تو پھر ہم کو بتلایا جاوے۔ کہ وہ کون سی اور باتیں ہیں۔ جو مسیح کی تعلیم پر کلیسیا نے ازدیاد کیں۔ وہ کونسے علوم جدید ہیں جو کلیسیا پر منکشف ہوئے۔ آج یوروپین دنیا اور ان کے ماتحت یوروپین اثریافتہ مشرقی دنیا الحاد اور مادہ پرستی کی طرف جارہی ہے۔ وہ حقیقی صداقتیں جن کی تعلیم ہر ایک مذہب نے مختلف شکلوں اور لباسوں میں کی ہے۔ آج ان پر زمانہ کو شک ہوگیا ہے۔ وہ صداقتیں تو در اصل وہی ہیں جنکو اسلام نے صفت ایمان میں بالفاظ ذیل جمع کردیا ہے:۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ط

یعنی وجود باری اور صفات الہیہ۔ وجود ملائکہ۔ الہام۔ رسالت۔ خیر و شر کے مقرر کردہ اندازے۔ حشر اجساد۔ یہ سات اصول قریباً قریباً سب مذاہب نے مختلف شکلوں میں تعلیم کئے ہیں لیکن آج انہیں صداقتوں پر ارباب عقل کو شک ہے یہی اصول عیسوی مذہب کے ایمانیات میں بھی ایک طرح داخل ہیں۔ اب اس کا

منوانا فی زمانا معقولیت اور منطقی دلایل کا محتاج ہے۔ کیا وہ روح القدس جو کلیسا میں اس لئے نازل ہوئی۔ کہ ان علوم حقہ کو سکھلائے جن کے نہ سکھلانے کا اعتراف خود جناب مسیح کو ہے۔ آج کلیسیا نے سکھلا دئے۔ کیا یہی مذکورہ بالا باتیں فلسفی اور حکیمانہ دنیا میں خلجان طبع نہیں پیدا کر رہیں۔ میٹریلزم بھی اپنا دورہ ختم کرچکا۔ وہ ایک طرح اسی لئے دنیا میں پیدا ہُوا۔ کہ غیر معقولیت اور غیر منطقیانہ طریق تسلیم و قبولیت کو انسانوں میں سے مٹا دے۔ میٹریلزم اس امر میں تو کامیاب ہُوا۔ لیکن میٹریلزم یعنی مذہب مادیت۔ خدا پرستی کو دنیا سے مفقود نہ کرسکا۔ انسان کی فطرت کا جذباتی اور روحانی حصّہ اور اُس کی غیب پرستی میٹریلزم کے دست برد سے بچ گئے۔ انسان ان سات صداقتوں کو اندر ہی اندر تسلیم تو کر رہا ہے۔ لیکن میٹریلزم نے جو آتش معقولیت انسان کے اندر ہی اندر سلگا دی ہے۔ وہ ان صداقتوں کی تسلیم کو دلایل بینہ سے وابستہ کرنا چاہتی ہے۔ الغرض مذہب اور کتاب اللہ کی تو ضرورت ضرور ہے۔ لیکن کتاب وہ چاہیئے جس پر ذیل کے الفاظ قرآن صادق آویں :-

کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن علیم خبیر تبیان لکل شیٍٔ لیھلك من ھلك عن بینۃ ویحیی من حی عن البینۃ۔ یعنی وہ کتاب جو اپنے اصولوں کو پہلے محکمات کے رنگ میں پیش کرے۔ اور اُسکی تفصیل عالمانہ طور سے کرے۔ اور اگر کہیں کوئی امر دعویٰ کے رنگ میں پیش کرے۔ تو دوسری جگہ اُس کے منوانے کے لئے بین دلایل دے۔ جس امر کا منڈن کرے۔ تو دلایل سے کرے۔ اور جس چیز کا کھنڈن کرے۔ تو دلایل سے کرے۔ ہم نے اس نگاہ سے وید اور دیگر کتب مقدسہ کا مطالعہ کیا۔ ان میں دوسرے مذہب کے عقاید

مختلفہ کی تردید بدلایل تو در کنار۔ ان میں تو اپنے عقاید کی تشریح میں اور اس کے منوانے کے لئے دلایل بھی موجود نہیں۔ جو مختلف اہل کتاب اپنی اپنی کتابوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً وید میں کہاں تناسخ اور قدامت عالم کے منوانے کے لئے دلایل موجود ہیں اسی طرح انجیل میں کہاں اس مذہب کی تائید میں ایسے دلایل ہیں جس پر اس وقت مسیحی کلیسیا کی بنیاد ہے۔ بالمقابل انجیل میں تناسخ کی بین تردید اور وید میں الوہیت مسیح اور کفارے کا رد تلاش کرنا ایک بیہودہ امر ہے وہاں تو ان کا ذکر بھی نہیں۔ دراصل جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ وہاں ان متقابلہ دلایل کا ہونا ایک قسم کا محالات عقلی میں سے ہے۔ اور یہ ایک قسم کا (.anachronism) ہے۔ کیونکہ وید کا وجود ایک ایسے وقت دنیا میں آیا۔ جب الوہیت اور کفارہ کا مسئلہ انسان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ ایسا ہی انجیل کے مقامی اور وقتی مخاطبین میں وید والے موجود نہ تھے۔ یہ امور تو اسی کتاب میں پائے جاویں گے۔ جو ایسے وقت آئے۔ جب کل کے کل دین اور عقاید ظہور پذیر ہو جاویں۔ خواہ انہوں نے آیندہ کوئی شکل یا نام اختیار کرنا ہو۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کے علم میں وہ تمام ممکن الوقوع عقاید دنیا میں ظاہر ہو جاویں۔ تو پھر ایسی کتاب کا نازل ہونا عین موقعہ اور محل پر ہوگا۔ والّا اگر خدا کی کسی کتاب میں ایسے عقاید کی تردید ہو۔ جو اس کے مکانی زمانی مخاطبین کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو تو ان عقاید کا تذکرہ اور ان کی تردید اس کتاب کے اوّلین پڑھنے والوں کے لئے لازماً بے معنی ہوگی۔ ہم حیران ہو جاتے ہیں۔ اور ہمیں یہ فلسفہ سمجھ نہیں آتا۔ کہ ایک طرف تو کہا جاتا ہے۔ کہ وید ست جگ میں نازل ہوا۔ لامحالہ وہ لوگ جو وید کے پہلے مخاطب تھے۔ است یعنی عقاید باطلہ اور افعال شنیعہ سے بالکل ناواقف اور پاک تھے۔ پھر

قرآن کے نزول کا وقت بھی کامل کتاب کے نزول کا وقت ہے

اس وید میں است یعنی باطل اور ناراستی کا کھنڈن ہی کیسے ہوسکتا ہے۔ جو ابھی پیدا نہیں ہؤا۔ اگر خدا تعالیٰ کی یہ کتاب ہیں امر معروف کرنے اور منہیات سے روکنے کے لئے آئی تھیں۔ تو پھر جب نزول کتاب کے وقت کوئی منہیات ہی نہ تھے۔ تو یا تو وہ کتاب اس قسم کے منہیات سے خالی ہونی چاہئے۔ یا اس کا حصہ منہیات بالکل بے مطلب اور بے معنی ہوگا۔ بلکہ یہ تو سر دو بستان کے طریق پرست جگ کے رہنے والوں کو است کا علم دے کر ان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ ایسی کتاب تو بجائے فایدہ کے نقصان رسان ہوگی۔ بارش تو اس وقت نازل ہوتی ہے۔ جب امساک باراں ہو جاتا ہے۔ سورج کا ظہور اندھیرے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ سخت حبس اور گرمی کے وقت ہی برساتی ہوائیں چلا کرتی ہیں۔ یہی صحیفہ قدرت کا نقشہ ہے۔ ممکن ہے۔ کہ وید ایسے وقت نازل ہؤا ہو۔ جب انسان بالکل ابتدائی مراحل تمدن میں ہو۔ کیونکہ ایسے وقت شرارت بہت کم ظہور پذیر ہوتی ہے۔ تمدن کے بڑھنے سے اور مختلف افراد انسانی کے باہمی تعلقات کی افزایش طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کر دیتی ہیں جس سے مختلف اقسام کی کج خلقیاں اور بدکرداریاں اپنی شکل دکھلاتی ہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے۔ کہ وید کے مخاطبین کا زمانہ بہت حد تک بدیوں سے پاک ہو۔ لوگ بالکل سیدھے سادے ہوں۔ ان کے فرایض زندگی اور باہمی تعلقات بھی محدود ہوں۔ اس سے تو اور یقین ہو جاتا ہے۔ کہ وید مقدس ابتدائی مراحل تمدن کے لئے آیا۔ کون نہیں جانتا۔ کہ دیہاتی زندگی شہری زندگی سے نسبتاً پاک اور صاف ہوتی ہے۔ اہل دیہہ چھل فریب کو نہیں جانتے۔ معاملہ کی صفائی ان میں زیادہ ہوتی ہے۔ جرایم کی ان میں بہت کمی ہوتی ہے۔ جرایم کی وہ باریک راہیں جو فی زمانا مہذب ملکوں میں خطرناک طریق پر رائج ہیں۔ ان سے ہر جگہ اہلِ دیہہ الگ ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی عجیب نہیں

کہ ویدکا زمانہ ایک قسم کا ست جگ ہو۔ ویدک شرتیوں سے بھی تو ابتدائی مراحل تمدن کا پتہ چلتا ہے۔ ہاں ایسی کتاب کامل یا ناطق کتاب نہیں ہو سکتی حقیقی مصلح اور آخری اور مکمل کتاب تو وہی ہو سکتی ہے۔ جو اُس وقت نازل ہوئی جب است اپنے کامل رنگ پر موجود ہو جاوے۔ اسکی ساری کی ساری شکلیں ظاہر ہو جاویں۔ تاکہ وہ کتاب ہر رنگ میں است کا کھنڈن کر سکے۔ تمام کی تمام بدعات ظاہر ہو جاویں۔ کل کی کل غلط تعلیمیں پھیل جاویں اور پھر ان تعلیمات کی تردید کی ضرورت ہو جاوے۔ اس اصول کے ماتحت ایک کامل

خاتم اور کامل کتاب کی ایک خاص شرط

خاتم کتاب آیا وہ ہوگی جو ایسے وقت لکھی گئی جب باطل دین اور تعلیمیں ابھی ظاہر ہی نہیں ہوئی تھیں۔ یا وہ کتاب ہوگی جس کا نزول تمام غلط اور باطل ادیان اور غلط تعلیموں کی اشاعت کے بعد ہوا ہو۔ اور جس کی شان میں یہ آیت موزون ہو سکے۔ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ اُس خدا نے رسول کے ساتھ ایک ہدایت نامہ بھیجا ہے جس میں صحیح دین ہے۔ اور جو ان تمام کے تمام دینوں پر جو پہلے سے غلط طریق پر تعلیم کر رہے ہیں۔ اپنی تعلیم سے غالب آجاوے گا ؏

یہ ابھی لکھا جا چکا ہے۔ کہ جس وقت انسان کے قوائے عقلیہ کسی قدر چمک اُٹھتے ہیں۔ تو پھر وہ کوئی امر بھی برنگ دعویٰ قبول کرنے کو طیار نہیں ہوتا۔ جب تک اُس کے ثبوت میں وہ تشفی بخش دلایل نہ سن لے۔ لہٰذا ہر ایک کامل اور جامع کتاب میں اگر افریقہ کے وحشیوں کے مناسب حال ابتدائی تہذیب کی تعلیم ہو تو اس کتاب میں ہر ایک اصول حقہ اور عقیدہ صحیحہ کے ثبوت میں جس کو وہ تعلیم کرنا چاہتی ہے۔ اس قسم کے دلایل بھی ہونے چاہئیں۔ کہ جن کو دیکھ کر یا سن کر وہ جماعت بھی تہذیب

پائے جو ایک حد تک علم و عقل حاصل کر چکی ہے ؞

الغرض وید پر ہی کیا حصر ہے۔ اگر کسی اور الہامی کتاب کے کامل اور عالمگیر ہونے کے ثبوت میں یہ مطالبہ کیا جاوے۔ تو جہاں تک ہم نے سابقہ کتب مقدسہ کا مطالعہ کیا۔ ہمیں کوئی بھی کتاب بجز قرآن کریم اس کسوٹی پر سے درست اُترتی نظر نہیں آتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ الہامی کتابیں نہیں بلکہ یہ کہ یہ سب کی سب کتابیں خاص ملکوں اور خاص زمانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور نیز انسانی سوسائٹی ابھی عقلی نشو و نما کے اُس درجہ تک نہیں پہنچی تھی۔ کہ جب ہر امر کے منوانے کے لئے انسان دلایل کا محتاج ہو ؞

آج سے دو ہزار برس پہلے انسان پر وہ زمانہ گذرا ہے۔ کہ جب وہ ہر ایک بات کو خواہ کیسی ہی خلاف فہم ہو آسانی سے مان لیتا تھا۔ بشرطیکہ اُس بات کا تعلیم دینے والا وہ شخص ہو۔ جس کو وہ کسی نہ کسی رنگ میں اپنے بالمقابل فوق الطاقت مان چکا ہو اس میں شک نہیں۔ کہ معقولیت اور استدلال کے دلدادہ سے کبھی کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ اور اسی لئے سابقہ کتب مقدسہ بھی اس رنگ سے ایک حد تک خالی نہیں لیکن جس طرح ہمارا زمانہ کثرت سے معقولیت کا دلدادہ ہے۔ اس طرح پہلا زمانہ نہ تھا۔ بلکہ وہ زمانہ تو رضا و تسلیم کی صفت سے متصف تھا۔ دراصل جناب مسیح کے زمانہ سے ماقبل کا زمانہ مذہبی معاملات میں بلا حیلہ و حجت سر تسلیم خم کرنے کا عادی تھا۔ کسی امر کے قبول کرنے کے لئے یہ کہہ دینا کسی کو کافی تھا۔ کہ یہ اُس کے مذہب کے معلم یا کتاب نے تعلیم کیا ہے۔ لیکن مسیح کے وقت ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہودیوں میں خود صدوقی جماعت فرشتوں اور حشر اجساد کی اس لئے قایل نہیں رہی۔ کہ ان کو

وہ محالات عقلی سے سمجھنے لگ گئے تھے۔ ساری بائیبل کو اُٹھا کر دیکھ لو۔ یہ صرف مسیح کے زمانہ میں ہی نظر آتا ہے۔ کہ بعض لوگ اس سے بعض تعلیمات کے ثبوت کے طالب ہوتے ہیں۔ ہندو مذہبی لٹریچر میں بھی قریب یہی رنگ ہے۔ ایک زمانہ گیان کا طالب نظر آتا ہے۔ لیکن کسی نکتہ معرفت کے تسلیم کرا لینے کے لئے معلم کو استدلال کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔ بس اگر کوئی گیانی مشہور ہے۔ تو اسکی یہ حیثیت ہی اُس کے الفاظ کو پذیرائی کے قابل کردیتی ہے۔ ہاں اُپنشدوں کا رنگ اور ہے۔ اور ایسا ہی اُن کا زمانہ بھی وہی ہے۔ جو مسیح کا زمانہ ہے یہی وہ زمانہ ہے۔ جب قوائے عقلیہ چمکنے شروع ہوگئے ہیں +

علاوہ ازیں اُس وقت تک مختلف عقاید جو مختلف قومیں تعلیم کر رہی تھیں۔ ابھی ایک دوسرے کے مقابل نہ آئے تھے۔ اس لئے کسی سابقہ کتاب میں دیگر عقاید باطلہ کی تردید کا ہونا ضروری نہ تھا۔ یہ تو اُسی کتاب میں ہونا چاہئے تھا۔ جو ایسے زمانہ میں نازل ہوئی ہو۔ کہ جب قوائے عقلیہ کامل طور پر صیقل ہو گئے ہوں۔ جب دلایل کی پیاس چاروں طرف محسوس ہونے لگے۔ اور جب مختلف عقاید ایک دوسرے کے بالمقابل آجاویں۔ اور یہ باتیں صرف ہزار ڈیڑھ ہزار برس کے اندر اندر کا نتیجہ ہے۔ لہذا اُن کا علاج اُس کتاب میں ہوگا۔ جو ہزار ڈیڑھ ہزار برس کے درمیان نازل ہوئی ہو۔ لیکن جو شخص ان صحیح واقعات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اول تو ہمارے ان مطالبات کو کسی قدیمہ کتب الہامی سے پورا کر دکھائے۔ اور اس امر کا بھی جواب دے۔ کہ کس طرح عقاید فاسدہ کی پیدائش یا اُن کے وجود میں آنے سے پہلے ہی کئی ہزار برس سے کسی کتاب میں اُن کی تردید لکھی گئی۔ اور کس طرح پر وہ تردید اس کتاب کے

قدیمی پڑھنے والوں کے قابل فہم ہوسکی۔ ہم نے ہر ایک مذہب کی کتب مقدسہ کو محبّت اور شوق سے پڑھا نہ بہ نظر اعتراض۔ کیونکہ مسلمان ہر ایسی کتاب کو اسکی اصلی شکل میں خدا کی طرف سے جانتے ہیں۔ لیکن ہم نے اُن کو ان باتوں سے خالی پایا۔ رہا قرآن سو خدا کے فضل و کرم سے اُس نے مجمل اور مفصّل حکیمانہ طرز اور عام فہم رنگ میں ہر ایک عقیدہ کو جو تعلیم کرنا قرآن کا مقصد تھا۔ بدلایل پیش کیا۔ اور قرآن کا تو بہت سا حصّہ انہیں دلایل سے مملو ہے۔ قرآن ہی دنیا میں پہلی کتاب ہے۔ کہ جس نے خدا تعالیٰ کی حقیقی کتاب یعنی صحیفہ قدرت کو سامنے رکھ کر تمام عقاید صحیحہ کے دلایل اس کتاب مبین میں دکھلائے ہیں۔ اسی طرح ہر عقیدہ باطل کی تردید میں بھی صحیفہ قدرت کو ہی اپیل کیا ہے۔ اس امر کا ثبوت ایک لمبی تفصیل چاہتا ہے۔ اور انشاء اللہ ہم اس کتاب کی کسی آیندہ جلد میں کل عقاید تعلیم کردہ قرآن کے دلایل قرآن سے ہی دینگے۔ اور ایسا ہی غلط عقاید کی تردید میں بھی قرآنی دلایل کو پیش کرینگے۔ یہاں سردست اجمال کو مدّنظر رکھ کر ہم اُن موٹے موٹے عقاید کی تردید قرآن کریم سے بدلایل پیش کرتے ہیں جو اس وقت اس ملک میں مروج ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان عقاید کے دلایل بھی دیتے ہیں۔ جن کا سکھلانا قرآن کے مدّنظر ہے ؏

قرآن کریم نے ہم کو یہ تعلیم دی۔ کہ دنیا میں جس قدر عقاید فاسدہ پھیل رہے ہیں۔ وہ در اصل اس غلط معرفت کا نتیجہ ہیں۔ جو صفات باری کے متعلق دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ بیشک کسی غلط عقیدہ یا بدعملی کی تنقیح کرلی جاوے۔ اُس کا باعث وہی علمی یا عملی انکار نظر آویگا۔ جو کسی شخص نے کسی نہ کسی صفات الٰہیہ کے متعلق قایم کر رکھا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ بدی یا گناہ کا ارتکاب اوّل اوّل تنہائی کو چاہتا ہے۔ کیونکہ بدکار کسی کی موجودگی

ہیں فعل بد کے ارتکاب کی جرأت نہیں رکھتا۔ لیکن جو شخص کامل اور عملی ایمان خدا تعالیٰ کے
حاضر ناظر ہونے پر رکھے۔ پھر ممکن نہیں کہ اُس سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ گویا گناہ کا ارتکاب
خدا تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کا ایک عملی انکار ہے۔ الغرض قرآن کریم نے سب سے
اوّل دُنیا کو صفات باری کا صحیح علم دیا۔ اور قرآن کریم نے شروع میں ایسی چار جامع
صفات کا ذکر کر دیا۔ کہ جس کے صحیح مفہوم آجانے پر کل عقاید باطلہ کا قلع قمع ہو جاتا
ہے۔ فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۞
قرآن کریم نے اس معرفت تامہ اور کامل گیان والے فقرہ میں اُس اللہ کو منوایا ہے
جو کل جہانوں کا رب ہے۔ اور جو مخلوقات کی ربوبیت کرنے میں رحمان اور رحیم بھی
ہے۔ اور جزا دینے میں مالکانہ اختیار رکھتا ہے ؂

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں کل عقاید مذاہب باطلہ کی تردید موجود ہے

لیکن اس آیت کا آغاز بھی ایک اور جملہ سے ہوتا ہے
یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم در اصل اس ایک مختصر سے
فقرہ میں کل باطل پرستیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے
ضروری ہے۔ کہ ہم سب سے پہلے رحمٰن اور رحیم کے ان معانی سے واقف ہو جاویں
جو قرآن نے خود ان دو لفظوں کے کئے ہیں۔ رحمانیت وہ فیض ربانی ہے۔ کہ جس
کے ماتحت انسانی ضروریات کے دفعیہ کے سامان ان ضروریات کے پیدا ہونے
سے یا بعض وقت خود انسان کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دئے
اور جس فیض ربانی سے ہر شخص خواہ وہ خدا پرست ہو یا منکر ہستیٔ باری تعالیٰ یکساں
فایدہ اُٹھاتا ہے۔ اس کے مقابل رحیمیت وہ فیض ربی ہے۔ جو انسان کے اعمال
پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ بچّہ کی پیدایش سے پہلے پستانِ مادر اور ان پستان

میں دودھ کا ہونا ایک فیض رحمانیت ہے۔ اور ایک کسان کا بیج بو کر کئی گنا پھل کاٹنا فیض رحیمیت کی ایک مثال ہے۔ الغرض فیض رحمانیت انسانی ضرورت یا انسانی اعمال سے پہلے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور فیض رحیمیت انسانی اعمال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ امور ہیں۔ کہ جن کا ثبوت صحیفہ قدرت کی کتاب سے ملتا ہے۔ بالغرض اگر ہمارے ہاتھ میں کوئی الہامی کتاب نہ ہو۔ اور مطالعہ فطرت سے خالق فطرت کے اخلاق کی

فطرت اُسی خدا کا پتہ دیتی ہے جسکی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے

تلاش کرنی ہو۔ تو سورج۔ چاند۔ سیارگان۔ اکاش۔ پانی۔ ہوا۔ بادل وغیرہ وغیرہ کا وجود جن کی بابت اہل علم نے مان لیا ہے کہ اُن کا وجود انسان کے وجود سے پہلے بنا۔ ایک ایسی مہربانی اور فیض کا پتہ بتلاتے ہیں۔ کہ جس مہربانی اور فیض نے ان مظاہر قدرت کو اُن ضروریات انسانی کے دفعیہ کے لئے پیدا کر رکھا ہے۔ جو انسان کی پیدایش اُس کے وجود اور اُسکی آیندہ بقا کے ساتھ وابستہ تھیں۔ اور جو بعد میں پیدا ہونی تھیں۔ اور جن کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اُن کو پیدا کر دیا۔ لہذا یہ فیض ربانی کسی انسانی عمل کے عوض میں عطا نہیں ہوا۔ بلکہ محض ایک خاصہ ربوبیت ہے۔ پس ایسے فیض کا نام قرآنی اصطلاح میں رحمانیت ہے۔ اور رحیمیت کا فیض تو ہم ہر روز اپنے اعمال پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا دیکھتے ہیں۔ الغرض صحیفہ قدرت کا ذرہ ذرہ ہمیں ایک ایسے خدا کی طرف رہنمونی کرتا ہے۔ جو ایک طرف رحمان ہے۔ تو دوسری طرف رحیم ہے۔ دنیا نے قرآن سے پہلے خدا کو اب اور بعض نے رب بھی پکارا۔ اُسے خالق اور پالنہار بھی مانا۔ لیکن اُسے رحمان نہ سمجھنے پر مختلف قسم کے عقاید فاسدہ تراشے۔ اس لئے قرآن نے لفظ رب سے بھی پہلے سب سے اول رحمان کا ذکر صفات اللہ میں کیا۔ جیسے کہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے ظاہر ہے۔ تاکہ انسان اس صفت اللہ پر غور کر کے عقاید باطلہ کی اصلاح کر لے۔ ایک منکر ذات باری جس طرح رحمانیت کی مذکورہ بالا حقیقت پر غور کر کے اپنا اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک نیم دہریہ آریہ بھائی قدامت مادہ کے عقیدہ کو بھی اسی ایک صفت کے سمجھ لینے پر ترک کر سکتا ہے ایک برہمو جس طرح خارجی الہام کے بارے میں اس صفت الہیہ سے تشفی پا سکتا ہے۔ اسی طرح اس صفت کی کماحقہ معرفت ایک عیسائی اور ایک آریہ کو نجات کا صحیح مسئلہ بھی سکھا سکتی ہے۔ الغرض اس ایک صفت رحمانیت کی حقیقت کا انکشاف تمام عقاید باطلہ کو دنیا سے مٹا دیتا ہے*

رحمانیت میں رد دہریت یہ کون نہیں جانتا۔ کہ کل دنیا علت و معلول سے مربوط ہے منکر ذات باری بھی ایک فرسٹ کاز یعنی علت العلل کا قایل ہے۔ وہ نظام عالم میں ایک کامل ترتیب اور نظام ابلغ کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ ایک چیز کو دوسری چیز کے مناسب حال تو دیکھتا ہے۔ اور ایک چیز کی ضرورت خاصہ کا دفعیہ دوسری چیز میں بھی پاتا ہے لیکن وہ ان سب چیزوں کا ظہور کسی مدبّر بالارادہ ہاتھ کے ماتحت نہیں مانتا۔ بلکہ وہ ان سب میں بے جان مادے کی ارتقائی حالت دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے۔ کہ بعض چیزوں کا بعض چیزوں کے بالمقابل آ کر ایک دوسرے کے مطابق حال ہو جاتا ہی۔ ضرورت اور دفع ضرورت کی شکل پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے مقابل قرآن نے خدا تعالیٰ کی صفات میں لفظ رحمان استعمال کر کے یہ دکھلانا چاہا ہے۔ کہ رحمان کسی ضرورت کے پیدا ہونے سے پہلے دفع ضرورت کے اسباب مہیّا کر دیتا ہے۔ اب ان دو امور میں فیصلہ ایک ہی طریق پر ہو سکتا ہے۔ آیا ان ضروریات کا دفعیہ کسی

مقررہ قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ یا جو چیزیں ہماری راہ میں اتفاقیہ آگئیں۔ اور اتفاقاً وہ دفع ضرورت کا باعث ہو جاتی ہیں ✦

خوش قسمتی سے ہمارا زمانہ سائنٹفک زمانہ ہے۔ آج سائنس کے اعجازوں نے ہماری کل ضروریات کا دفعیہ اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ وہ باتیں جو اتفاقیہ آج سے پہلے ہماری مشکلات کا حل کر دیتی تھیں۔ آج وہ باتیں سائنس کے ماتحت ترتیب و تنظیم میں آگئی ہیں۔ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی۔ سائنس تو ان قوانین کے علم کا نام ہے۔ جو مادہ پر حکمران ہیں۔ اور جن کے ماتحت مادہ مختلف شکلوں میں ان خواص کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جو اس میں پہلے سے موجود ہیں۔ اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ مادہ میں مختلف قسم کی خاصیتیں کسی اتفاق کا ظہور نہیں۔ بلکہ پہلے سے ہی اس میں موجود ہیں۔ ہاں ان خاصیتوں کا ظہور علیٰ وجہ الکمال بعض قوانین مختلفہ کے دریافت پر حصر رکھتا ہے۔ جس سے یہ امر متحقق ہو سکتا ہے۔ کہ قانون مادہ کے وجود پر فایق اور حکمران ہے۔ اس لئے یہ بات بالکل غلط ہو جاتی ہے۔ کہ ہماری ضروریات کا دفعیہ جو مادہ سے ہو رہا ہے۔ وہ محض اتفاقیہ ہے۔ بلکہ ہماری ضروریات کے دفعیہ کے اسباب پیدا کرنا چونکہ قانون کے ماتحت ہے۔ اس لئے ایک واضع قوانین کا وجود ضرورتاً تسلیم کرنا پڑتا ہے ✦

خاصیت مادہ دفع ضرورت کا نام ہے

در اصل مادہ کے خواص کیا ہیں۔ مختلف ضروریات کے دفعیہ کے اسباب۔ دفع ضروریات کا نام ہی خاصیت مادہ ہے۔ انسان کو پیاس لگتی ہے۔ اور پانی کی خاصیت پیاس کو بجھانا ہے۔ اس طرح یہ پانی کی خاصیت کسی ضرورت خاصہ کا دفعیہ ہے۔ اب جیسے کہ اوپر دکھلایا گیا۔ کہ دفع ضرورت۔

قانون کے ماتحت ہے۔ اور قانون ایک مقنن کو چاہتا ہے۔ اس لئے وجود باری پر ایمان لانا ایک منطقی مجبوری ہے۔ خدا کی آخری کتاب نے اس طرح خدا کی صفات میں لفظ رحمان بیان کر کے ہم کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ کہ رحمان وہ ہے جس نے کائنات میں ہر ضرورت کے دفع کے اسباب پہلے سے ہی مہیا کر رکھے ہیں جس کے لئے علم اور ادراک کی ضرورت ہے۔ یعنی جس سے آنے والی ضرورت کو سمجھ کر اُس کے دفعیہ کے لئے قوانین تجویز ہوں۔ یہ علم اور ادراک جو علم ضرورت اور وضع قوانین کے لئے ضروری ہیں۔ وہ مادہ میں بالبداہت موجود نہیں۔ اس لئے مادہ کسی ذی ارادہ ذی علم ہستی کا پیدا کردہ ہے۔ ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ دفع ضرورت کے اسباب پہلے سے ہی پیدا شدہ ہیں۔ نہ کہ ضرورت اور اسباب دفع ضرورت اتفاق سے جمع ہو کر ایک دوسرے کے مفید پڑ گئے۔ بلکہ یہ اسباب اور ان اسباب کے نتائج کا ظہور اٹل اور مضبوط قوانین کی زنجیروں میں جکڑا ہُوا ہے۔ اس طرح ہم ایک لفظ رحمان کی حقیقت پر کما حقہٗ غور کرنے سے دہریت سے نکل کر رب العالمین کی ہستی پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مادہ کو مخلوق اور حادث ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مادہ بلا

رحمانیت مادہ کے حادث ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

خواص محض لاشئے ہے۔ اگر مادہ قدیم ہے۔ تو اُس کے خواص بھی قدیم ہیں۔ اور خواص وہی امور ہیں۔ جن کے ذریعہ پیدا شدہ ضروریات دفع کی جاتی ہیں۔ جب یہ امر ظاہر ہے۔ کہ ضرورت کے پیدا ہونے سے پہلے دفع ضرورت کے اسباب کائنات میں موجود ہیں۔ تو گویا مادہ کے اندر نا پیدا شدہ لیکن پیدا ہونے والی ضروریات کا علاج رکھ دیا گیا ہے۔ یہ پھر علم و ارادہ کو چاہتا ہے۔ یعنی اسبات کا علم ہو۔ کہ پیدا ہونے والی ضروریات کیا ہیں۔ اور

اُن کا دفعیہ کس طرح ہوگا۔ اور پھر ارادہ بھی ہو۔ کہ ان ضروریات کو دفع کرنا ہے۔ لیکن بیجان مادہ اس علم اور ارادہ سے خالی ہے۔ اس لئے مادہ کے خواص از خود نہیں۔ بلکہ وہ اس مدبّر بالا رادہ ہستی کے ارادہ اور علم کے ماتحت وجود میں آئے ہیں۔ کہ جس نے پیدا ہونے والی ضروریات کو سامنے رکھ کر اُن کے دفعیہ کے لئے مادہ میں خواص رکھ دے۔ اس لئے مادہ حادث ہے نہ قدیم کیونکہ خاصیت مادہ دفع ضرورت کا دوسرا نام ہے ؀

رحمانیت اور رد تناسخ

ہم نے اس صفت کے متعلق ابھی دیکھا۔ کہ اس کا ظہور پیدائش انسان سے پہلے ہُوا۔ اور اس فیض رحمانیت نے انسان کے آرام اور سُکھ کے لئے ہزاروں سامان پیدا کر دئے۔ یہ امر مانا گیا ہے۔ کہ انسان فطری قوائے عالم کا آخری نچوڑ ہے۔ اور یہ بھی مانا گیا ہے۔ کہ انسان کی پیدائش سے بہت پہلے زمین ۔ آسمان ۔ ہوا ۔ پانی وغیرہ موجود تھے۔ اب اگر ہمارے آرام اور سُکھوں کا اندازہ کیا جاوے۔ جو ان مظاہر قدرت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تو ان کے مقابل وہ سُکھ جو ہمارے مکتسبہ اموریعنی ہمارے افعال کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بالکل ہیچ اور لاشئے ہیں۔ بلکہ ہمارے مکسوبہ سُکھ بھی انہیں مظاہر قدرت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا تمام سُکھوں کے اسباب اگر انسانی نسل کی پیدائش سے پہلے موجود تھے۔ تو لامحالہ افعال انسانی سے تو بہت پہلے موجود تھے۔ اب اگر انسان کے سکھ اس کے افعال سے بہت پہلے پیدا ہو چکے ہیں۔ تو یہ کسی گذشتہ اعمال کا نتیجہ نہیں۔ لہٰذا مسئلہ تناسخ کے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ جو ہمارے سُکھوں کو ہمارے افعال کا نتیجہ ٹھیراتا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری زندگی کے لئے بہت سے بے زبان جانوروں کا پہلے سے موجود ہونا ضروری

ہے۔اور یہ امر بھی علمی دنیا نے تسلیم کر لیا ہے۔کہ نسل و نوع انسانی کی پیدایش سے حیوانی پیدایش بہت پہلے ہوئی۔اب اگر انسان کی آسایش کے لئے یہ بے زبان جاندار اُس کی پیدایش سے پہلے پیدا ہو گئے۔تو پھر تناسخ کا دوسرا پہلو بھی خاک میں مل جاتا ہے جس کے ماتحت مانا گیا ہے۔کہ بے زبان جاندار در اصل انسان ہی ہیں۔جو کسی بداعمالی کے باعث یہ شکل اختیار کر رہے ہیں۔اُن جانوروں کا ہونا ہماری ہستی کے لئے ضروری ہے۔ان کا ہماری پیدایش سے پہلے موجود ہونا لازمی ہے۔ہماری ہستی اُن کی ہستی سے مابعد ہوئی ہے۔کیونکہ ہماری ہستی اُن کی ہستی ماقبل پر حصر رکھتی ہے ہماری ہستی کی بعض ضروریات کے لئے وہ بطور اسباب دفع ضرورت واقع ہوئے ہیں۔اس لئے وہ حیوانات کوئی انسان کی بگڑی ہوئی جون نہیں ہوسکتے۔الغرض لفظ رحمان نے ایک لطیف پیرایہ میں مسئلہ تناسخ اور کرموں کی تھیوری کا قلع قمع کر دیا ہے ؛

رحمانیت اور ردکفارہ اسی فیض رحمانیت پر اگر غور کیا جائے۔کہ جسکی رو سے خدا تعالیٰ بغیر کسی اعمال کے عوضہ کے انسان پر اس قدر فضل کر رہا ہے۔تو یہ بھی ماننا پڑیگا۔کہ خدا تعالیٰ اس فضل کے عطیہ میں عدل کی زنجیروں سے جکڑا ہوا نہیں۔بلکہ عدل کا تقاضا یہ چاہتا ہے۔کہ کوئی شخص کسی راحت یا رنج کا مستحق نہ ٹھیرایا جاوے۔جب تک اُس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو۔جو اُسے رنج یا راحت کا مستوجب قرار دے۔اب اگر خدا تعالیٰ کے کاروبار صفت عدل سے وابستہ ہوتے۔تو اُس کے فیض کا ظہور انسان کے وجود سے پہلے نہ ہوتا۔کیونکہ صفت عدل اُن افعال کو چاہتی ہے۔کہ جن کی رو سے نیک و بد کی جزا و سزا دی جاتی ہے۔اور وہ افعال فاعل کو چاہتے ہیں۔لہذا

فیض الٰہی کا ظہور انسان سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ انسانی اعمال کے عوض میں مرتب ہوتا ہے۔ لیکن صفت رحمانیت کا ظہور وجود انسان سے بہت پہلے تھا۔ الغرض اگر خدا تعالیٰ رحمان ہے۔ تو اُس کے کاروبار عدل سے بالاتر ہیں۔ اب اگر اُس کا رحم جو رحمانیت نے ظاہر کیا۔ عدل کی زنجیروں سے جکڑا ہُوا نہیں۔ تو وہ سارے کا سارا استدلال خاک میں مل جاتا ہے کہ جس کے ماتحت کفارہ مسیح پر زور دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ انسان نے گناہ کیا۔ خدا کے عدل نے گناہ کی پاداش چاہی۔ خدا کے رحم نے انسان کو بچانا چاہا۔ ان ہر دو تقاضوں کے پورا کرنے کے لئے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو بھیجکر انسان کو خدا کے رحم سے مستفید کیا۔ اور خود اپنی جان صلیب کے سپرد کر کے عدل کے تقاضے کو پورا کیا۔ خلاصہ جس کا یہ ہے۔ کہ خدا کا رحم عدل کے تقاضے کے پُورا کرنے کے بغیر ظہور نہیں پا سکتا۔ یعنی خدا تعالیٰ کا رحم بلا بدل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم دکھلا چکے ہیں۔ کہ رحمانیّت کے ماتحت خدا کا رحم جو ظاہر ہُوا ہے۔ اُس نے عدل کی زنجیروں کو توڑ دیا ہے۔ اب اگر رحم کا ظہور بلا بدل وعدل ہو سکتا ہے۔ تو پھر کفارہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر کفارہ کی ضرورت نہیں۔ تو ابنیّت اور الوہیت مسیح بھی کوئی چیز نہیں۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے صفت رحمان کی طرف متوجہ کر کے الوہیت مسیح کی زبردست تردید کر دی۔ اگر خدا تعالیٰ رحمان ہے۔ تو پھر تو اُس کے فضل کا اظہار چارو نطرف بے بدل ہو رہا ہے۔ اُس کو ہماری غلط کاریوں کے بدل میں کسی بیٹے کی مصلوبیّت کی ضرورت تھی۔ اسی لئے تو ابنیّت مسیح کی تردید میں لفظ رحمان ہی فرمایا:۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اے نادانوں تم اُس خدا کے

لئے بیٹا تجویز کرتے ہو۔ جو رحمان ہے ۔جس کے فضل ہمیشہ بلا بدل ہیں ۔جس کا رحم بہ تقاضائی رحمانیت ہوتا ہے ۔ عدل کے ماتحت نہیں ۔ اور جب عدل کے ماتحت اُس کا رحم نہیں ۔ تو پھر کفارہ کیا ۔ اور ابنیت کیسی ۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے ۔ کہ اصل مسئلہ عیسویت نہ تو کفارہ اور نہ الوہیت مسیح ہے ۔ ساری پولوسی تعلیم کی بنیاد گنہ پر ہے ۔ انسان نے گناہ کیا ۔ خدا کے فضل نے جس کے ماتحت انسان نے نجات پانی تھی ۔ بہ تقاضائے عدل بدل چاہا ۔ اس لئے کفارہ کی ضرورت ہوئی ۔ ایک گنہگار دوسرے گنہگار کا کفارہ نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ اُسے اپنے گناہ کا کفارہ لازمی ہے ۔ کفارہ کے لئے ضروری تھا ۔ کہ کوئی معصوم ہو ۔ انسان بہ عقاید عیسویت معصوم نہیں ۔ اس لئے کفارہ دینے والا لازماً صاحب الوہیت ہونا چاہیئے ۔ الغرض یہ ساری بحث عدل اور بدل کی ہے لیکن رحمانیت اسکی بیّن تردید کرتی ہے ۔

برہمو رحمانیت پر غور کریں اسی صفت رحمانیت سے ایک زبردست ثبوت الہام کا بھی ملتا ہے برہمو سماج والے جو وجود باری تعالیٰ کے تو قایل ہیں ۔ لیکن وہ روحانی اور ذہنی قوائے کی ترقی کے لئے کسی خارجی الہام کے قایل نہیں ۔ وہ اس کانشنس یا نور ایمان کے قایل ہیں ۔ جو انسان کے اندر پہلے سے موجود ہے ۔ اور یہی کانشنس اُن کے نزدیک الہام کا قایمقام ہے ۔ اُن کے نزدیک کل استعدادیں انسان کے اندر موجود ہیں ۔ وہ نشوونما پالیتی ہیں ۔ اور اسی طرح عقل یا کانشنس بھی ایک استعداد ہے ۔ جس کے نشوونما کے لئے کسی خارجی فیض کی ضرورت نہیں ۔ لیکن اگر غور کر کے دیکھا جاوے ۔ تو کوئی بھی ایسی انسانی استعداد نہیں ۔ کہ جسکے نشوونما کے لئے کسی ایسی خارجی بات کی ضرورت نہ ہو ۔ جو رحمانیت کے ماتحت پیدا ہوچکی ہے ۔ اور اگر انسان اپنے قوائے پر چھوڑا جاوے

اور خارجی صحیفۂ قدرت سے وہ اپنے قوائے کے نشو ونما کے لئے استمداد نہ کرے۔ تو اس کی کوئی قوّت بھی نشو ونما نہ پاوے گی۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں آنکھ عطا کی ہے۔ اور اس میں قوّت بصارت بھی رکھ دی ہے لیکن ایک بچّہ کو پیدا ہوتے ہی کسی ایسے مکان میں رکھ دیا جاوے۔ جہاں روشنی نہ پہنچی ہو۔ تو وہ بچّہ چند دنوں میں نابینا ہو جاوے گا۔ اسی طرح ہمارے اندر بہت سی طاقتیں اور استعدادیں ہیں۔ لیکن یہ ساری کی ساری استعدادیں سب بیکار اور فضول ہو جاوینگی۔ اگر اُن کو عمل میں لانے کے لئے خارجی اسباب صحیفۂ قدرت سے استمداد نہ کی جاوے۔ کیا اس بات کا یہ کافی ثبوت نہیں۔ کہ جب انسان کے کل کے کل قوائے خارجی اسباب موجودہ صحیفۂ قدرت کی مدد سے کام دیتے۔ اور اپنی استعدادوں میں نشو ونما پاتے ہیں۔ تو وہ کانشنس یا نور ایمان جو دنیا کے معاملات نیک و بد میں ہمارا خضر راہ ہے۔ وہ کیوں بیکار نہ ہو۔ جب تک ایک خارجی فیض جس کا نام الہام ہے۔ اُسکی آبیاری نہ کرے۔ اگر ہم اپنی فطرت کا مطالعہ کریں۔ اور اُن تقاضوں پر غور کریں۔ جو ہمارے اندر ہیں۔ پھر اُن تقاضوں کے دفعیہ کے اسباب پر غور کریں۔ جو ہمارے وجود سے خارج کائنات میں موجود ہیں۔ جو رحمان خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ تو برہمو سماج کی کل کی کل تھیوری غلط ہو جاتی ہے۔ برہمو بھی ایک قسم کے الہام کے قایل ہیں جسے داخلی الہام کہہ سکتے ہیں۔ ہاں وہ خارجی الہام کے قایل نہیں ہیں۔ اب الہام کیا ہے۔ وُہ وہ علم الٰہی ہے جسکی خواہش ہمارے دل میں ہے۔ ہماری آنکھ اچھّے منظر دیکھنا چاہتی ہے۔ ہمارے اردگرد اچھّے منظر موجود ہیں۔ ہماری قوّت سمع خوش آوازی سے تربیت پاتی ہے۔ ہمارا ذایقہ مزیدار چیزوں کا طالب ہے۔ اور اسی طرح بہت سے تقاضے ہماری فطرت میں لاحق ہیں۔ ایسا ہی ہمارا دل مختلف علوم کو چاہتا ہے۔ اور ان میں ایک علم۔ علم

الٰہی ہے۔ جس کا منبع الہام ہے۔ اب کیا ان تمام کے تمام تقاضوں کا دفعیہ ہمارے اندر ہے یا باہر اگر ان سب تقاضوں کے پورا ہونے کے اسباب خارجی ہیں۔ تو پھر وہ دل کا تقاضا یعنی علم الٰہی۔ اس کا دفعیہ اگر خارجی طریق پر ہو۔ تو کونسا امر مستبعد ہوجاتا ہے۔ یہ سب امور اُسی صفت رحمانیت کے کرشمے ہیں۔ جس کے صحیح علم کے نہ ہونے سے دنیا اس قدر معرفت سے دور ہوجاتی ہے۔ الغرض رحمانیت ایک ثبوت الہام کا ہے۔ اور الہام کا ظہور بھی رحمانیت کے تقاضاء سے ہوا۔ اسی لئے تو فرمایا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن ؕ

رحیمیت میں مابعد زندگی کا ثبوت رحمانیت کے بعد جب ہم رحیمیت پر غور کرتے ہیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان کے ہر فعل کا نتیجہ خدا مرتب کرتا ہے۔ اور انسان کے ایک فعل کے پچاس یا سوگنا ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔ اب بعض افعال کے ثمرات تو ہم دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن بعض افعال اور اعمال ہمارے اس قسم کے بھی ہوتے ہیں۔ کہ جن کے ثمرات ابھی ہمارے سامنے ہی نہیں آتے۔ کہ ہمارا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ وہ افعال جو زید نے اُس دن کئے۔ جس دن وہ اچانک فوت ہوگیا۔ اس کے نتائج کیوں ضایع جاویں۔ ضرور ہے۔ کہ اس موت کے بعد ایک اور زندگی ہو۔ جہاں ان افعال کے ثمرات مرتب ہوں ؕ

لفظ رب میں تناسخ کا رد الغرض رحیمیت کا تقاضا اُس زندگی کے وجود کو ثابت کرتا ہے۔ کہ جس کا نام قرآنی اصلاح میں بہشت ہے۔ اور بہشت کا وجود بصورت تضاد دوزخ کو چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب یعنی صحیفہ قدرت میں ہمیں صفت رحیمیت کے آثار نظر آتے ہیں۔ کس طرح ہمارے ہر ایک فعل پر بر وقت نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔ اور اسی طرح وہ فیض ربوبیت بھی نظر آتا ہے جس کے ماتحت ہر ایک مخلوق کا قدم خواہ وہ جاندار یا غیر جاندار ہو۔ ترقی کی طرف ہے۔ اور کوئی بھی چیز ہمیں نظر نہیں آتی۔ جو ترقی

کردہ حالت سے تنزل کرجاوے۔مٹی میں۔معدنیات میں۔نباتات میں۔غرض کل مظاہر قدرت میں ایک قسم کی ترقی ہی ترقی ہے۔جسکی طرف لفظ رب جو قرآن نے پہلی آیت میں استعمال کیا اشارہ کررہا ہے۔تو پھر تناسخ کا عقیدہ کس طرح کوئی قبول کرے۔کہ جو ترقی کردہ حالت سے تنزل کی طرف انسان کو لاتا ہے۔جو لفظ رب کے تقاضا کے خلاف ہے۔اس طرح لفظ رب اور رحمان مل کر کل عقیدہ تناسخ کو بدلایل بیّن توڑ دیتے ہیں ۔

ہماری نماز عربی کے سوا کسی اور زبان میں نہیں ہو سکتی

الغرض ہم نے دیکھ لیا ہے۔کہ کس طرح قرآن کی پہلی آیت نے ان تمام عقاید ناقصہ کی تردید بدلایل کی۔جو اس وقت دنیا کے مختلف مذاہب تعلیم دے رہے ہیں۔اس موقعہ پر مجھے ایک اور بات بھی بعض مسلمان احباب کی خدمت میں عرض کرنی ہے۔جو اس وقت اس امر پر زور دینا چاہتے ہیں۔ کہ کیوں نہ نماز اپنی مادری زبان میں ادا ہو۔میں اس مسئلہ کے پولیٹیکل یا سوشیل ضروریات پر کچھ نہ کہوں گا۔مَیں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں۔کہ نماز سورہ فاتحہ کے سوا نہیں ہو سکتی اور دراصل سورہ فاتحہ ہی عین نماز ہے۔اور یہ وہ دُعا ہے۔کہ جسکی پہلی آیت میں ہم اعتراف کرتے ہیں۔کہ ہمارا خدا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے۔اور ان چار صفات کا ذکر کر کے ہم آن واحد میں ذات باری کے وجود کا اقرار کر کے دہریت کا قدامت مادہ اور روح کا تناسخ کا کفارہ کا مسئلہ عدم ضرورت الہام کا جہاں انکار کرتے ہیں۔وہاں ساتھ ہی اُن تمام صحیح تعلیمات کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔جو قرآن نے اُن کے مقابل تعلیم کئے ہیں۔اب کوئی زبان ہے۔کہ جسکے چار الفاظ ان چار صفات کے اس قسم کے قایم مقام ہو سکتے ہیں۔کہ جن سے مفہوم بالا ادا ہوں۔جو میں نے عرض کیا ہے۔اگر نہیں تو پھر مَیں کس طرح قرآنی الفاظ کے سوا

اپنی نماز کسی اور زبان میں ادا کروں۔ خواہ میری دنیاداری ہو۔

قرآن کریم کی استدلال ماتل و دل کا تو ایک یہ نمونہ ہے۔ جو مَیں نے پیش کیا۔ اگر اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ یہ باتیں عام افہام سے بالاتر ہیں تو یہ یاد رہے کہ جن حقایق کو قرآن نے ان چار صفات میں ذکر کر دیا ہے۔ ان کی تفصیل میں قرآن سارا کا سارا موجود ہے۔ قرآن کریم کا طریق ہے۔ کہ اگر ایک جگہ مجمل کچھ پیش کرتا ہے۔ تو دوسری جگہ ایک انسان کو صحیفہ قدرت کی طرف متوجہ کر کے اُن حقایق کا ثبوت بدلایل اُس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ بلکہ صحیفہ قدرت کی طرف انسان کو متوجہ کر کے حقایق اخذ کرنا تمام کتب مقدسہ میں صرف قرآن نے ہی کماحقہ سکھلایا ہے۔

مثلاً مسئلہ حشر اجساد ایک اس قسم کا مسئلہ ہے۔ کہ جس کا ثبوت عیسائی۔ آریہ۔ مسلمان اور ہر ایک ایسے شخص کے ذمہ ہے۔ جو ایک آیندہ زندگی کا قایل ہے خواہ وہ تناسخ کے ماتحت ہو۔ اور خواہ کسی قیامت کے ذریعہ ہو۔ اعتراض یہ ہے۔ کہ جب انسان کے مرنے پر اُس کے ذرات اور اجزا دوسرے اجزا عالم میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔ تو پھر کس طرح وہ اجزا، پھر واپس ہو کر اُس خاص انسان کو ہی مل سکتے ہیں ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ایک بزرگ پادری یا ایک فاضل آریہ دوست یا برہمو یا کوئی اور غیر مسلم فاضل شخص اِس کے ثبوت میں حکیمانہ دلایل پیش کر دے لیکن ہمارا مطالبہ یہ ہے۔ کہ اگر وہ اُس کتاب کو جس سے وہ تمسک کرتا ہے۔ خدا کی طرف سے قبول کرتا ہے۔ تو پھر وہ دلایل اُس کتاب کے اپنے الفاظ میں دکھلائے۔ مَیں نے اس نگاہ سے ان کتابوں کو دیکھا۔ اور مَیں کہہ سکتا ہوں۔ کہ مجھے یہ دلایل واضح طور پر بہ رنگ دلایل ان مقدس کتابوں میں نظر نہیں آئے۔ ہاں قرآن کریم نے ان کو بدلایل مختلفہ

پیش کیا ہے؛

حشر اجساد کی ایک عمدہ دلیل قرآن سے

مثلاً سورۂ قٓ میں اس اعتراض کو قرآن نے پیش کیا ہے۔ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ۔ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جاوینگے۔ تو پھر ہمارے ذرات واپس کئے جاوینگے۔ یہ تو دور از عقل بات ہے۔ اس اعتراض کا ذکر کرکے اگلی آیات میں اس اعتراض کے جواب میں مختلف پیرایہ قرآن نے اختیار کئے ہیں۔ اور اُن میں یہ بھی فرمایا۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ۔ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ۔ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ۔ اے اعتراض کرنے والے دیکھ ہم برکت والا پانی آسمان سے اُتار کر اُس کے ذریعہ ہم عمدہ باغ اور اناج اوگاتے ہیں۔ مثلاً بلند کھجوروں کے درخت جس میں تہ بتہ خوشے ہوتے ہیں۔ اُن اوگائی ہوئی چیزوں میں انسانوں کے لئے رزق ہے۔ اور پھر اس طرح مردہ شہر کو ہم زندہ کر دیتے ہیں۔ دیکھو اور غور کرو۔ اسی طرح مرنے کے بعد تمہارا یعنی قبروں سے نکلنا ہوگا۔ جب بہار کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ اور خزان اپنا منہ دکھاتی ہے۔ تو درختوں سے پتے جھڑ جاتے ہیں پھل پھول وغیرہ اپنا فعل ادا کرکے ان کے فضلات ذرات کی شکل میں دیگر ذرات عالم سے مل جاتے ہیں۔ کچھ مٹی کی شکل اور کچھ ہوا اور گیس کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اُس وقت ملک پر ایک قسم کی مُردنی چھا جاتی ہے۔ لیکن جب پھر فصل بہار آتی ہے۔ تو آسمان سے پانی اُترتا ہے۔ وہ زمین میں جاکر ہر ایک درخت میں ایک قسم کی انفعالی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ وہ ذرات جو سیب کے درخت کو پیدا کرتے ہیں۔ وہ بالضرور ان ذرات سے مختلف ہوں گے

جن سے ناشپاتی پیدا ہوتی ہے۔ جامن کے مختصہ ذرات سے آم اور شفتالو کے مختصہ
ذرات سے آلوچہ تیار نہیں ہو سکتا۔ الغرض ہر ایک پھل پھول کے ذرات ایک دوسرے
سے الگ ہوتے ہیں۔ اور وہ بہار کے گذرنے پر ذرات عالم میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔
لیکن بارش کے بعد اور نسیم بہاری کے چلنے پر ان تمام درختوں میں ایک قسم کی
انفعالی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ ہر ایک درخت اپنے خاص ذرات کو
ان مخلوط ذرات عالم میں سے واپس لے لیتا ہے۔ ایک آم کے درخت کے ساتھ
ایک جامن کا درخت ساتھ ساتھ لگا ہوتا ہے۔ اور الوچہ کے ساتھ شفتالو کا درخت
موجود ہوتا ہے۔ لیکن کیا مجال کہ اپنے اپنے مختصہ ذرات کے واپس لینے میں کوئی
غلطی ہو جاوے۔ بہاری نسیم جس میں کل کے کل ذرات مخلوط حالت میں قایم
اور موجود ہوتے ہیں جس درخت کے پاس سے گذرتی ہے۔ اُس کے مناسب
حال ذرات اُس کے حوالہ کر دینے میں ٹھیک اُسی ڈاکیہ کا کام کرتی ہے جس کے
ہاتھ میں مختلف لوگوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں لیکن وہ تقسیم کے وقت زید کی چھٹی زید اور بکر
کا پارسل بکر کے حوالہ کر دیتا ہے۔ خواہ درخت کسی جگہ ہو۔ اور جہاں ان ذرات نے پہنچنا
ہے۔ خواہ وہ مخفی جگہ کیوں نہ ہو۔ مثلاً کھجور کا ذکر اور اُس کے پھل کا نہ بنہ ہونا اسی لئے
فرمایا۔ اب اگر موسم بہار کے آنے پر بارش کے ذریعہ اور نسیم بہاری کے چلنے پر
ہر ایک درخت اپنے اُن ذرات کو جو مٹی اور خاک اور ہوا کی شکل اور دیگر گھاسوں کی
شکل میں منتقل ہو چکے تھے واپس لے کر ان کو اپنی شکل میں لے آتا ہے۔ تو پھر
انسانی ذرات جو ہوا مٹی میں یا دیگر شکل میں منتقل ہو چکے ہیں۔ ان کا کسی خاص بارش
کے آنے پر اصلی جسم کی طرف رجوع کر لینا کونسا مشکل امر ہے۔ چنانچہ حدیث میں

برنگ استعارہ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جب کل دُنیا کے لوگ مرجاویں گے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش بھیجیگا۔ جس کے ذریعہ حشر اجساد ہوگا۔ قرآن کریم نے ایک اور موقعہ میں فرمایا وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ دیکھو تم خدا کی قدرت کے منکر ہو رہے ہو۔ حالانکہ اس کا ثبوت تو تمہارے جسم کے اندر موجود ہے۔ اگر تم غور کرو۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ ہمارے جسم کے جو مختلف اعضا ہیں۔ اُن کی غذا بھی مختلف ہے۔ جن چیزوں سے ہڈیاں تیار ہوتی ہیں۔ اُن سے ناخن تیار نہیں ہوتے۔ اور جن سے ناخن تیار ہوتے ہیں اُن سے دماغ طیار نہیں ہوتا جن چیزوں سے آنکھ تیار ہوتی ہے۔ وہ اُن چیزوں سے مختلف ہیں۔ جن سے کان بنایا جاتا ہے۔ تم نے یہ تو سُنا ہوگا۔ کہ طبیب لوگ مختلف اعضاء کی تقویت کے لئے مختلف ادویّہ اور اغذیّہ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن دیکھو۔ یہ دوائیں اور غذائیں اُس خاص حصّے تک براہِ راست نہیں پہنچائی جاتیں۔ مثلاً دماغ کی کمزوری کے علاج میں یہ نہیں ہوتا۔ کہ کھوپری چیر کر مقوی دماغ اشیاء اس میں بھر دی جاویں۔ طریق یہی ہے۔ کہ یہ سب کی سب چیزیں جو الگ الگ وجود رکھتی ہیں۔ ایک قبر میں بھیج دی جاتی ہیں۔ جس کا نام معدہ ہے۔ وہاں مختلف قسم کے ایسڈ موجود ہیں۔ جو ان کا حال وہی کر دیتے ہیں۔ جو جسم کا حال قبر کی مٹی سے ہو جاتا ہے یہ مختلف الجسم اور مختلف الکیفیت چیزیں اپنی مختصہ شکل کو گنوا کر اور پھر کئی منازل طے کر کے آخر ایک مخلوط سیال میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ جس کا نام خون ہے۔ یہ خون کل جسم میں تین منٹ میں دورا کر کے آنکھ کے اجزا آنکھ کو اور دماغ کے اجزا دماغ کے حوالہ کر دیتا ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ جب ناخنوں کے پاس خون گذرتا ہے۔ تو ناخن اپنے حسب حال اجزا اس سے لے لیتے ہیں۔ اور ہڈیاں اپنے مناسب حال ذرات

اُن سے چن لیتی ہیں۔ اب بتلاؤ یہ ہر روز تمہارے معدہ میں مختلف اجزا کی موت اور اُن کا مٹی ہونا یعنی اپنی حیثیت اور حقیقت کو چھوڑ دینا اور پھر مخلوط ہو کر اپنے پھر اصلی حالت میں نمود کر لینا نظر نہیں آتا؟ اسی لئے تو فرمایا۔ کہ تم کیوں ان حقایق سے انکار کرتے ہو۔ ان کا ثبوت فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تمہارے جسم میں ہی موجود ہے۔ ہاں ذرا عقل سے کام لو ❊

الغرض قرآن کریم نے اسی طرح ہر ایک ایسے عقیدہ کے ثبوت میں جس کا منوانا مقصود تھا۔ دلایل بیّنہ دئے۔ اور ہر ایک ایسے عقیدہ کی تردید میں جسکی تردید منظور تھی۔ براہین حکمیہ دین میں نے یہ پہلے عرض کیا ہے۔ کہ جہاں دنیا میں اس قسم کے لوگ موجود ہیں۔ جو مذہب کی باتوں کو حکم کے رنگ میں عقیدۃً ماننے کے لئے آٹھوں پہر تیار ہیں۔ وہاں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو بغیر دلیل کے ایک قدم بھی رکھنا نہیں چاہتے اب کیا ایک مکمل عالمگیر الہام کا فرض نہیں۔ کہ آخر الذکر جماعت کی پیاس بجھانے کے لئے کافی مصالحہ اپنے اندر رکھے۔ کسی کتاب کا حق کیا ہے۔ کہ وہ اپنے طریق و تعلیم تہذیب و تمدن کو ہمارے سامنے پیش کرے۔ جب اُسکی بعض تعلیم کردہ باتیں معقولیت سے باہر ہوں۔ جب سب کی سب الہامی کتابیں اپنا تصنیف ہونا اپنا طریق تدوین اپنا سرچشمۂ تصنیف غرض سب کی سب باتیں فوق العادت امور سے وابستہ کرتی ہیں۔ تو پھر ایک ذی عقل کیوں ان کی طرف توجہ کرے۔ جب ان خوارق کا امکان معقولیت کے ساتھ اسے سمجھ نہ آجاوے۔ اور یہ ایک ایسا مطالبہ ہے۔ جو صرف قرآن ہی پورا کر سکتا ہے ❊

لیکن ہم اس مطالبہ سے درگذر کرتے ہیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ قرآن سے

ماسبق کتب الہامیہ کہاں تک ہمیں اس مسئلہ تہذیب و تمدن میں ان اقوام کے متعلق امداد دے سکتی ہیں۔ جو خود آج کل انہیں مسایل میں منہمک رہتی ہیں۔ اور ایک حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ ہم ان کتابوں کو چھوڑ کر اس جگہ ان اصولوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو قرآن نے اپنے پرستاروں کے لئے تجویز کئے ہیں۔ اور دیگر مدعیان الہام ناطق سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ آیا اُن کی کتابوں نے بھی ان اصُولوں کو یا ان سے بہتر اصُولوں کو دنیا میں پیش کیا۔ فیصلے کی تو یہ آسان راہ ہے اگر کوئی اس طرف آئے۔ ہمیں یہاں افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ کہ ہمارے آریہ سماجک پرچار کرنے والے اپنے متبعین کو ایک بے سود شغل میں لگا کر اُن کی طبایع کو اصل مقصود سے دور لے جاتے ہیں۔ انسان غیر کے عیوب سے آگاہ ہو کر فطرتاً خوش ہوتا ہے۔ سماجک پرچار اپنے دوستوں کو دوسروں کی عیب چینی کے خوش آیند شغل میں لگا کر اُن کی طبیعت کو اس طرف آنے ہی نہیں دیتے۔ کہ خود وید یا سماجک تعلیم میں کون سے اصلاح اور فلاح کے اصول ہیں۔ کیا ہمارا اور سماج کا فیصلہ اس طرح نہیں ہوسکتا۔ کہ جہاں ہم اس کتاب میں قرآن سے اخذ کر کے تہذیب و تمدن کے اصول لکھ دیتے ہیں۔ وہ وید کے اصول ہمیں سنا دیں۔

آریہ سماج کے ساتھ فیصلہ کی ایک آسان راہ!

گالیاں دیتے دیتے انسان ایک دن تھک جاتا ہے۔ حقایق ہی آخر کار دنیا میں بقاء دوامی حاصل کر کے نصرت و فتحمندی حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر ہمارے دوست فیصلہ کے لئے یہ راہ پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی ہمتوں کو عیب چینی اور مطاعن پسندی کی طرف مبذول رکھنا چاہتے ہیں۔ تو وہ تو اس فعل کو خود ثابت کرتے ہیں کہ جس کے بازؤں میں زور نہیں ہوتا۔ وہ گالیوں پر اُتر آتا ہے۔

تہذیب انسانی کن امور سے وابستہ ہے

تہذیب کے اصول بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم تہذیب کی تعریف سے واقف ہو جاویں۔ وہ کونسی باتیں ہیں کہ جن کے ظہور پر کوئی قوم مہذب کہلانے کی مستحق ہو جاتی ہے۔ تہذیب کی حقیقت سے آشنا ہونے کے لئے لوگوں نے بہت ٹھوکریں کھائی ہیں جس تہذیب پر یورپ کو ناز تھا اور جس کے حصول کے لئے ہر ایک مشرقی کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ وہ تہذیب دنیا کے لئے آج لعنت ثابت ہو رہی ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ یورپ نے ایک رنگ کی تہذیب حاصل کر لی لیکن چونکہ وہ ناقص تہذیب تھی۔ اس لئے یہ روز بد یورپ کو دیکھنا پڑا۔ حقیقی تہذیب سے مراد اُن قوائے مضمرہ کا ظہور ہے۔ جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں ودیعت شدہ ہے۔ جب ایک طرف صحیفہ قدرت کی کل طاقتیں انسان کی خدمت میں لگ جاویں۔ اور دوسری طرف انسان کی کل کی کل وہ قوتیں نشو و نما پا جاویں۔ جو اس میں موجود ہیں۔ اس وقت تہذیب انسانی اپنے کمال کو پالے گی۔ یورپین سویلزیشن کا کل کا کل زور تہذیب کی پہلی شق پر تھا۔ اُن کی توجہ و ہمت کائنات کے قوائے کے دریافت اور اُن سے استفادہ کرنے تک محدود رہی۔ اور ان قوائے اور اخلاق فاضلہ سے بالکل بے توجہ ہو گئی۔ جو کائنات کے حکمران یعنی انسان میں موجود ہیں۔ اور جن کو ظہور اور فعل میں لانا ہی حقیقی کمال انسانی ہے۔ قرآن نے جس تہذیب کو مدنظر رکھا ہے۔ اس میں تہذیب کے دونوں شقوں کو جمع کر دیا ہے۔ کائنات کے قوائے فطریہ کو دریافت کرنے اور اُن سے خدمت لینے کے علاوہ اخلاقی۔ روحانی۔ قومی مجلسی۔ سیاسی۔ تمدنی۔ اقتصادی وغیرہ وغیرہ ہر ایک قسم کی تہذیب میں نفس انسانی کو مقدم رکھا ہے۔ اور حق پوچھو تو قرآن نے ہی سب سے اول اس راز کو کھولا

ہے۔ کہ تہذیب کی اصل حقیقت کیا ہے۔ تہذیب کیا ہے؟ کائنات کی چھپی ہوئی قوتوں کو فعل میں لے آنا قرآن نے اپنے لٹریچر میں جس لفظ کو تہذیب یا سویلزیشن کے مترادف رکھا ہے۔ وہ لفظ فلاح ہے۔ فلاح کے معنے لغت عرب میں ایک تو زمین کو زراعت کے لئے کھودنا آیا ہے۔ لیکن اس کے دوسرے معنے بخش یعنی مستور چیزوں کا استخراج ہے۔ فلاحت یعنی زراعت کے ذریعہ ہی زمین کی مستور طاقتوں کو ظہور میں لایا جاتا ہے۔ چنانچہ آج ایک مدت کی تحقیق کے بعد سویلزیشن کی اصلی غرض وغایت جو زمانہ نے تجویز کی۔ وہ قرآن نے ایک لفظ میں رکھ دی۔ بلکہ قرآن اپنے نزول کا مقصد ہی فلاح بتلاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کے ابتدائی آیات ذیل سے ظاہر ہوتا ہے:۔

> سب سے اول قرآن نے حقیقت تہذیب سے دنیا کو اطلاع دی

الٓمٓ۔ ذٰلِكَ الكتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هدى للمتقين ○ الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصّلوٰة ومما رزقنهم ينفقون ○ والذين يؤمنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك وبالاخرة هم يوقنون ○ اولٓئك على هدى من ربّهم واولئك هم المفلحون ○

> قرآن کی ابتدا اور دیگر کتب مقدسہ کا شروع

قرآن کریم اس اپنے آغاز میں بھی کل کتب مقدسہ سے نرالا ہے ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کے شروع میں کتاب کی غرض وغایت۔ کتاب کے مخاطب۔ کتاب کی ضرورت بیان کر دیتا ہے۔ شریعت بھی بمنزلہ ایک قانون کے ہے۔ اور کوئی قانونی کتاب ہماری نگاہ سے نہیں گذری۔ جس میں یہ التزام نہ ہو۔ سب سے پہلے ہر ایک قانونی ایکٹ میں ان اختیارات کا ذکر ہوتا ہے۔ کہ جن کی رو سے ایک بل قانونی ایکٹ ہو جاتا ہے۔ پھر اس ایکٹ

کی حدود کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایکٹ کی غرض و غایت کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔
یہ الہامی کتابیں بھی ایک قسم کے ربانی ایکٹ ہیں لیکن کیا مزے کی بات ہے۔ کہ
انسان تو اپنی تصنیف میں ان امور کا التزام کر لیتا ہے لیکن مروجہ الہامی کتب میں
یہ امور ہمیں نظر نہیں آتے۔ رگوید اگر اگنی کی مہما میں شروع ہوتا ہے۔ تو توریت کا پہلا
باب بہتر ہوتا۔ کہ جی اوجی (علم الارض) کے کسی کتاب کے شروع میں رکھ دیا جاتا۔
دوسری طرف انجیل نے نسب ناموں پر زور دے دیا ہے۔ یہی حال زنداوستا
وغیرہ کا ہے لیکن قرآن کا شروع آیاتِ[۱] بالا سے ہوتا ہے۔ ان آیات سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ ایک جلیل القدر بادشاہ اپنی رعایا میں ایک قانون نافذ فرمانے لگا ہے۔
پہلے اپنے ان اختیارات اور حقوق کا ذکر کرتا ہے۔ جنکی بنا پر وہ ایکٹ کا نفاذ کرنے لگا
ہے۔ پھر اس ایکٹ کا نام تجویز کرتا ہے۔ پھر اس کے حدود بیان کرتا ہے یعنی اُن
کا ذکر کرتا ہے جن پر وہ حاوی ہوتا ہے۔ پھر حاوی ہونے کا طریق۔ پھر اس قانون
کی غرض و غایت۔

الٓمٓ۔ میں اللہ علیم یعنی جاننے والا خدا ہوں۔ اور ان طریقوں کا علم رکھتا ہوں۔ جن
سے انسان نے تہذیب و ترقی پائی ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ ایک کتاب
ہے۔ جو میری طرف سے ہے۔ یہ پراگندہ الفاظ یا منتشر اوراق کا مجموعہ نہیں۔ ھدی
للمتقین۔ اسکی غرض متقین کی ہدایت ہے۔ الذی یؤمنون بالغیب ویقیمون
الصلوٰۃ ومما رزقنھم ینفقون۔ یعنی ان لوگوں کی ہدایت اس کتاب میں ہے جو

---

[۱] سورہ فاتحہ در اصل قرآن کا نچوڑ ہے۔ چنانچہ اسے ام الکتاب بھی کہتے ہیں۔ اس لئے یہ خیال کیا گیا
ہے۔ کہ قرآن شریف کی ابتدا سورہ بقرہ سے ہوتی ہے۔

امورغیب پرایمان لاکر نماز کو قایم کرتے اوراپنی خداداد طاقتوں کو لوگوں پرخرچ کرتے ہیں۔ یعنی اس کتاب میں حقوق خدا اورحقوق عباد کے متعلق ہدایات درج ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو الہام الہٰی پرایمان رکھتے ہیں۔ اورجزا وسزا کے دن کے قایل ہیں اس کتاب پرچلنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون۔ وہ اس ذات پاک سے جو اُن کا پیدا کرنے والا قایم رکھنے والا ان کی قوتوں کو نشوونما دینے والا ہے۔ ہدایت پاکر فلاح پاجاویں گے۔ یعنی ان کے ہاتھوں وُہ تمام چھپی ہوئی قوتیں نشوونما پالیں گی۔ جو کائنات میں ودیعت شدہ اورمضمر ہیں۔ اُن کے نشوونما پانے کا نام ہی فلاح ہے۔ قرآن کی غرض وغایت دراصل فلاح یعنی سویلزیشن ہی ہے۔ چنانچہ ہماری پانچ وقتہ اذان نماز کے الفاظ بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ نماز دراصل اُن حقوق کی قایمقام ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی ہم پر ہیں۔ اذان میں توحید ورسالت کا ذکر کرکے اُسکی غرض وغایت ان دولفظوں میں جمع کردی ہے

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ وَحَیَّ عَلَی الْفَلَاح

یعنی نماز کی طرف آؤ اور اس سے فلاح کی طرف آؤ

یعنی یہ نماز جس میں ہم نے تمہیں اُس توحید کا سبق سیکھانا ہے۔ جو آنحضرت صلعم کی رسالت کردہ ہے۔ اسکی غرض وغایت صرف تمہاری فلاح ہی ہے ۔

تہذیب کے بنیادی اصول قرآن کریم نے تہذیب وتمدن کے قایم کرنے کے لئے جو نظام ابلغ اور طریق احسن مختلف پیرایہ میں تعلیم کیا ہے۔ وہ ایک تفصیلی بحث کا محتاج ہے جو انشاء اللہ اس کتاب کی آیندہ جلدیں کی جاوے گی۔ لیکن یہاں برعایت اختصار ہم تہذیب کے اُن بنیادی اصولوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن پر اعلیٰ اقوام میں اسوقت تہذیب کی

وقت کی گاڑی چل رہی ہے۔ اب اگر کل کائنات کی مضمرہ قوائے کو نشوونما دینے کا نام ہی تہذیب وفلاح ہے۔ توسب سے پہلے ہمیں یہ جاننا چاہئے۔ کہ کل کائنات میں انسان کا کیا مقام ہے۔ اور کائنات کی کیا غرض وغایت ہے اور انسان میں کیا کیا استعدادیں اور قوتیں ہیں۔ ان قوائے کو ظہور میں لانے کا کیا طریق ہے۔

ان امور کی تنقیح میں مختلف حکماء کے اقوال کو یہاں درج کرنا اور ان پر تنقیدی نگاہ ڈالنا ایک بے سود طوالت کو پیدا کرنا ہے۔ بہتر یہ ہوگا۔ کہ موجودہ تحقیقات کے نتائج کو اس جگہ برعایت اختصار درج کر دیا جاوے۔ اور پھر دیکھا جاوے۔ کہ الہام الٰہی نے اس پر کیا روشنی ڈالی ہے۔ ذیل کے چند اصول میں نے مختلف حکما کی تصنیف سے اخذ کئے ہیں۔ جن سے مغربی تہذیب وابستہ کی گئی ہے۔

اوّل۔ کل انسانوں میں باہمی مساوات ہے۔ باقی کل کائنات انسان کی خادم ہے

دوم۔ کل کائنات پر لاتبدیل قوانین حکمران ہیں۔ ان قوانین کی دریافت سے انسان کائنات پر حکمران ہوتا ہے۔ ان قوانین کی خلاف ورزی باعث نقصان ہے۔

سوم۔ کل کائنات اسباب اور نتائج کے مضبوط رشتے میں جکڑی ہوئی ہے۔

چہارم۔ انسان میں اعلیٰ سے اعلیٰ استعدادیں ہیں۔ اور اُسکی ترقیات لامحدود ہیں۔

تہذیب کی غرض ہم نے یہ ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ قرآن کریم کے نزول کی اصلی غرض بھی فلاح وتہذیب ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے تو سورہ بقرہ کے آغاز میں ہمیں تعلیم دی ہے۔ جیسے ہم ابھی لکھ آئے ہیں۔ کہ کل قدیمی الہام اسی لئے دنیا میں آئے۔ دراصل مذہب کی غرض وغایت سمجھنے میں دنیا نے غلطی کھائی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مذہب چند رسموں کا ادا کرنا۔ عبادات اور قربانیوں کو کرنا۔ تیرتھ گاہوں پر جانا۔ بزرگوں اور بزرگوں کی

اولاد کی پرستش کرنا۔ وغیرہ وغیرہ سمجھا گیا۔ یہ دراصل کسی مذہب کے ارکان ہو سکتے تھے نہ کہ خود مذہب۔ اسی طرح کوئی کہتا ہے۔ کہ مذہب دنیا میں خدا کی ذات کو منوانے آیا۔ اُس کے جلال کو دنیا میں قایم کرنے آیا۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ مذہب کی غرض خدا کی پرستش اور اُسکی رضا کو حاصل کرنا ہے۔ گویا خدا ان تمام باتوں کا محتاج تھا۔ یہ باتیں بھی اپنے اندر ایک حقیقت رکھتی ہیں لیکن وہ حقیقت بھی محتاج انکشاف ہے۔ قرآن نے ہی اس حقیقت کو کھولا۔ سب سے اول اُس نے ورود الہام کی غرض صرف فلاح انسانی یعنی تہذیب قرار دی۔ پھر یہ کہہ کر کہ

فمن یشکر فانما یشکر لنفسہٖ ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین ط

یعنی جو خدا تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اس کا شکر گذار ہو۔ اس کی رضا جوئی کرے۔ اس سے غرض کوئی خدا کو نہیں۔ یہ سب کچھ انسان کے اپنے نفس کے لئے ہے۔ اور جو خدا سے روگردانی کرے وہ بھی اپنا ہی کچھ گنوائے گا۔ خدا تو ان تمام باتوں سے بے نیاز ہے (سورہ لقمان)

یہ امر ہم پر منکشف کیا۔ کہ خدا تعالیٰ کو نہ تو اپنی ذات ہی منوانی تھی۔ نہ اپنا جلال ہی قایم کرنا تھا۔ نہ انسان کی رضا جوئی الٰہی سے اُسے کچھ فایدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ یہ مختلف پیرایہ صرف ایک مفہوم ادا کرنے کے لئے الہامی کتابوں میں تجویز کئے گئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان فلاح اور اصلاح پائے۔ جو اس میں ودیعت شدہ طاقتیں ہیں۔ وہ بارور ہو جاویں۔ اس سے جلال الٰہی قایم ہوتا ہے۔ انہیں قوتوں کو مثمر کرنا رضا جوئی الٰہی ہے۔ یہی اسکی خوشی ہے۔ کل عبادات کی غرض و غایت یہی ہے۔ اسی امر کے حصول کے لئے دُنیا کو مسئلہ توحید سکھلایا گیا۔ جو دراصل مذہب کے ساتھ دنیا میں آیا۔ اگر توحید کی غرض یہ ہے۔ کہ ہم اپنے رب اور خالق

توحید کی غرض وغایت تہذیب ہے

کو ایک مانیں۔ اور اپنی عبادات میں کسی اور کو شریک نہ کریں۔ تاکہ خدا تعالیٰ ہم پر ناراض نہ ہو۔ تو یہ تو نہایت ہی ادنیٰ درجہ کا مفہوم توحید ہے۔ گویا معاذ اللہ خدا تعالیٰ میں جذبہ حسد اس قدر ہے۔ کہ وہ کسی اور کو انسان کے مقرر کردہ تخت الوہیت پر دیکھ نہیں سکتا۔ جیسے کہ ہم کتاب خروج باب بیس کی ابتدائی آیات میں پاتے ہیں۔ تو پھر فی الواقع خدا تعالیٰ ایک باریک بین نگاہ میں اس عظمت و جلال کا مالک نہیں ٹھہرتا جو خود اسکی شان کے شایاں ہے۔ خدا تعالیٰ اس تمام کائنات کا مالک اور وہ رامچندر۔ کرشن مسیح۔ جیسے ضعیف البنیان انسانوں کے خدا بن جانے سے گھبرائے۔ اور اُن کے خدا بننے سے اپنی خدائی میں فرق آتا سمجھے۔ اور اس لئے ناراض ہو۔ تو پھر ایسا خدا تو ہمارا خدا نہیں ہو سکتا۔ ہمارا خدا تو اس سے بہت ہی ارفع اور اعلیٰ خدا ہے۔ فمن کفر فان اللہ غنی عن العالمین کا جامع اور حکیمانہ فقرہ ان لغویات کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیتا ہے۔ توحید کا مسئلہ تو بروئے تعلیم قرآن دراصل انسان کا مقام کائنات میں قایم کرنے اور ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ مساوات قایم کرنے آیا تاکہ ان دو امور کے متحقق ہو جانے سے کل کائنات کی اندرونی بیرونی قوتیں کام کرنے لگ جاویں۔ اور اس طرح جلال الٰہی ظاہر ہو۔

عیسوی مذہب کے اصول اور اصول تہذیب میں تضاد

مذہب دراصل تو انسان کو کمال حقیقی تک پہنچانے کے لئے ایک راہ بتلانے آیا۔ اور اگر جدید تحقیقات کے قرار داده مذکورہ بالا اصول تہذیب صحیح اور درست ہیں۔ تو سب سے پہلے مذہب الٰہی کا فرض ہے۔ کہ ان اصولوں کی تعلیم کرے۔ یا ان سے بہتر اصول انسان کے ہاتھ میں دے۔ عیسوی مذہب میں ان اصولوں کی تلاش ایک بے سود امر ہے۔ جس مذہب

کی بنیاد ہی اس امر پر ہو۔ کہ انسان کی فطرت میں گناہ ہے۔ اُس نے دراصل ان بنیادی اصولوں پر آن واحد میں پانی پھیر دیا۔ عیسائی مذہب کا اصل اصول نہ تو کفارہ مسیح ہے۔ اور نہ الوہیت مسیح۔ یہ دراصل مسئلہ گناہ کی شاخیں ہیں عیسائیت کا بنیادی پتھر وہ مسئلہ ہے۔ جو نہ مسیح نے تعلیم کیا۔ نہ کسی حواری کو معلوم تھا۔ بلکہ اس کا بانی پالوس تھا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ انسان گناہ کو اپنی پیدایش کے ساتھ لایا ہے۔ وہ گناہ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ گناہ جو اسے ورثہ میں ملا ہے یہ سزا کو چاہتا ہے۔ اور سزا سے نجات کفارہ کی متقاضی ہے۔ لیکن گناہ کا کفارہ کسی بے گناہ وجود سے ہی ہو سکتا ہے۔ نہ کہ گنہگار سے۔ کیونکہ وہ اپنے کفارہ کا محتاج ہے۔ انسان بے گناہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کا کفارہ خود خدا ہی کر سکتا ہے۔ اس طرح گناہ سے کفارہ اور کفارہ سے الوہیت مسیح کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بنیادی اصول عیسویت یہ ہے۔ کہ انسان فطرتاً گنہگار ہے۔ گناہ کیا ہے۔ عدم پیروی قوانین

عیسوی مذہب کی اصل گناہ ہے نہ کفارہ نہ الوہیت مسیح

اس سے تہذیب کا دوسرا اصول خاک میں مل جاتا ہے ✣

گورو کل کانگڑی والے اصول تہذیب مبینہ وید بیان کریں

ہم اپنے سماجی دوستوں سے متمنی ہیں۔ کہ وہ بھی ہمیں ان اصولوں کو بتلا دیں جن کے ذریعہ وید نے تہذیب و اصلاح انسانی کا بیڑا اٹھایا۔ قربانیاں اور دعائیں تو بذات خود کوئی اصل غرض نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ تو ابتدائی ذرایع حصول مقصد اصلی ہیں۔ جب وید ہی کل تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ہے۔ اور اُس کے بعد کوئی نئے اصول دنیا پر ظاہر نہیں ہوئے۔ اور آج کل گورو کل کانگڑی میں ویدک اصولوں پر نوجوان تیار ہو رہے ہیں۔ جو از سر نو ویدک تہذیب دنیا میں پھیلاویں گے۔ کیا بہتر نہ ہوگا۔ کہ اُن اصولوں سے غیر ویدک دنیا کو اطلاع

دی جاوے۔ اور دکھلایا جاوے۔ کہ آیا ویدک اصول جدید اصولوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یا وہ ان سے بہتر اصول ہیں۔ یاد رہے۔ کہ ہمارے اس مطالبہ کا جواب صرف وید سے دیا جاوے۔ کیونکہ ہمارے زیر بحث صرف الہامی کتابیں ہیں نہ کہ سمرتیاں ٭

اسلامی کلمہ توحید کی حقیقت انسانوں میں مساوات اور کائنات پر انسان کی حکومت

کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ کی حقیقت خود شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت بیّن الفاظ میں بیان کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ لَا الٰہ الا اللہ سے مراد لا معبود لی۔ ولا مقصود لی۔ ولا مطلوب لی الا اللہ۔ یعنی انسان ایک خدا کو ہی اپنا مخدوم ومتبوع اور حاکم قرار دے۔ اُس ایک کو اپنے سے بڑا سمجھے۔ اور اس کے مقابل کسی کی بڑائی اور عظمت کا قایل نہ ہو۔ توحید کے اس منشاء کو ذہن میں رکھ کر اگر ہم مخلوقات پر نگاہ ڈالیں۔ تو پھر خدا تعالیٰ کے بعد کل مخلوقات الہیہ دو ہی عنوان تلے آجاتی ہے۔ اگر انسان سے بڑا صرف ایک ہی خدا تعالیٰ ہے۔ تو باقی کل مخلوق یا انسان کے مساوی یا انسان میں رتبہ سے کم رہ جاوے گی۔ اس طرح اگر خدا تعالیٰ ہی انسان کا واحد مخدوم متبوع ہو۔ تو پھر باقی جو کچھ ہے۔ وہ یا تو انسان کے متساوی الحال یا انسان کا خادم اور تابع ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک خدا ہی ہمارا اصلی حاکم ہے۔ تو پھر دوسرے یا ہمارے ہم رتبہ یا ہمارے محکوم۔ کل مخلوقات کو اگر ہم انسان اور غیرہ میں تقسیم کریں۔ تو اس طرح انسانوں میں مساوات اور انسان اور غیر انسان میں حاکم محکوم۔ مخدوم اور خادم کا رشتہ قایم ہو جاتا ہے یہی وہ راز مسئلہ توحید ہے۔ جو قرآن نے ہمیں سمجھایا۔ نہ تو خدا ہماری حمد اور نہ خالص مخلص عبادات کا محتاج ہے۔ بلکہ یہ سب اس لئے ہے۔ کہ خدا کے بعد ہماری نگاہ میں کوئی بڑا نہ رہے۔ باقی کل کی کل مخلوق یا تو ہمارے ساتھ

مساوات کے درجہ پر آجاوے - یا ہم اُسے اپنا خادم یا غلام سمجھیں - الغرض توحید کی بھاری غرض ایک یہ ہے - کہ انسانوں میں آپس میں رشتہ وحدت ومساوات کا پیدا ہو - اور انسان اور باقی مخلوقات میں رشتہ مخدوم اور خادم کا قایم ہوجاوے - اس حقیقت کے قایم ہونے پر کل ترقیات کا دروازہ کھل جاتا ہے ؛

توحید اور مساوات

لہذا جو سبق قرآنی توحید سے ایک انسان حاصل کرتا ہے - وہ مساوات کا سبق ہوتا ہے - یہی وجہ ہے - کہ اسلام کے ساتھ ہی مساوات دنیا میں آئے - اور یورپ نے جو کچھ جمہوریت کے متعلق سیکھا - وہ مسلمانوں سے سیکھا - مسلمانوں نے ہی یہ اصول دنیا میں سب سے اول قایم کیا - کہ انسان انسان کے برابر اور متساوی الحال ہے - یہ وہ پاک اور بلند خیال ہے - کہ جس سے انسان کی ہمت بلند اس کا نصب العین ارفع اور اعلیٰ ہوجاتا ہے - اس سے ذات پات کی تمیز اور رنگ - ملک اور قوم کا امتیاز جس نے ہر جگہ حقیقی تہذیب سے انسان کو روکا - معدوم ہوجاتا ہے ؛

"میں وہ کرسکتا ہوں - جو زید یا بکر نے کیا - میرے قوائے اور استعدادیں وہی ہیں جو زید و بکر کی ہیں "؛

یہ وہ حوصلہ افزا خیال ہے - جو انسان میں غبطہ اور کسی دوسرے کے ہم پایہ ہونے کا شریف جذبہ پیدا کرکے اُسے ہر شعبہ زندگی میں اپنے ہمعصروں کے سامنے مقابلہ کے لئے لے آتا ہے - اس قوم نے کیا ترقی کرنی ہے - اور تہذیب کے اصولوں کو کیا سمجھنا ہے جس نے انسانوں کو مختلف ذاتوں میں تقسیم کرکے ذاتی امتیاز کو بڑے شد و مد سے قایم کیا - ہزاروں برس گذر گئے - لیکن شودر شودر ہی رہے - حالانکہ شودر اور برہمن کے قوائے خدا کی طرف سے ایک ہی تھے - اور وہ ایک ہی طرح دنیا میں آئے - اور یکساں

سازوسامان لے کر کائنات میں داخل ہوئے ۔ یورپ کی ترقی کا راز بھی یہی جمہوریت اور مساوات انسانی کا پاک خیال ہے ۔ وہاں کسی کی عزت وشرافت اس کی اپنے ذاتی کمالات پر بہت حدتک منحصر ہے ؛

قرآن نے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا مسئلہ تیرہ صدبرس ہوئے تعلیم کر کے کل قومی امتیازوں کو خاک میں ملا دیا ۔ فرمایا کہ تم میں شریف تم میں مکرم تم میں قابل عزت وہ نہیں جو بڑی قوم یا بڑے خاندان کا ہو ۔ بلکہ تم میں اشرف اور اکرم وہی ہے جو تقویٰ یعنی اُن راہوں سے بچتا اور دور رہتا ہے ۔ جو انسان کو فلاح اور تہذیب سے روکتی ہیں آہ مسلمانوں کو کیا ہوگیا ۔ وہ ہندوستان میں آکر اس معاملہ میں کیوں ہندو صفت ہوگئے اور تمام اعلیٰ جذبات تہذیب کو چھوڑ کر ذات پات کے جھگڑوں میں پڑ گئے ۔ اور تباہ ہو گئے دیکھ لو ہندوستان میں بھی وہی مسلم آبادی عام طور پر مرفہ الحال ہے ۔ جو ان جھگڑوں سے آزاد ہے ۔ اہالیان پشاور کی عامہ مرفہ الحالی کا راز بھی یہی ہے ۔ کہ وہاں ذات پات کی تمیز عام طور پر نہیں ۔ یاد رکھو توحید صرف یہیں تک ختم نہیں ہوتی کہ ہم کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھیرائیں ۔ یہ تو ادنیٰ درجہ کی توحید ہے ۔ تم عملاً مشرک ہو ۔ جب کسی اور کو بڑا سمجھنے لگ جاؤ ۔ کہ تم اُس جیسے ہو نہیں سکتے ۔ ایسا ہی وہ بڑی ذات کا مدعی سید مغل شیخ یا پٹھان جو کسی بافندہ یا کفش دوز مسلم بھائی کو حقیر سمجھ کر اپنے ساتھ برابری کا موقع نہیں دیتا ۔ اور اس طرح اپنے لئے بڑائی کا وہ مقام تجویز کرتا ہے ۔ جو خدا نے اپنے لئے خاص کر لیا ہے ۔ یاد رکھو خدا نے عظمت اور کبریائی کا مقام اس لئے اپنے لئے خاص نہیں کیا ۔ کہ اُسے کوئی بڑائی کا شوق ہے ۔ وہ فی ذاتہٖ کبیر اور اعلیٰ اور عظیم ہے ۔ اس دعویٰ کبریائی سے اُسکی

مدعیان توحید یعنی مسلمان عملاً مشرک اور عیسائی مشرک من وجہ موحد

ایک بھاری غرض تو یہ ہے۔کہ تم میں کا بڑا چھوٹوں کے مقابل اپنے لئے۔اور تم میں سے چھوٹا اپنے سے بڑے کے لئے مقام کبریائی تجویز کر کے مساوات کی روح کو تباہ نہ کر دے۔یورپ نے انسانی مساوات اور جمہوریت کے خیالات کی عزت کی۔اپنے اور ابنائے یورپ میں ترقی کی روح پھونک دی۔گوکل یورپ نے عقیدہ توحید اختیار نہ کیا۔لیکن عملاً جمہوریت کے رنگ میں توحید کے ایک زبردست پہلو کو اختیار کر لیا لیکن اگر اہلِ مغرب توحید کی کامل حقیقت کو سمجھ لیتے۔تو نہ مغرب کے ہاتھ سے مشرق

کامل توحید سے ہی کامل امن دنیا میں قایم ہوگا -

کو تکلیف ہوتی۔اور نہ مشرق کے بعد اہالیان مغرب ایک دوسرے کی تباہی پر آمادہ ہوتے۔توحید کی پہلی غرض تو یہ ہے۔کہ ہم ہر انسان کو اپنے جیسا سمجھیں۔خدا کے عطیات پر ہر ایک انسان کا حق اپنے برابر سمجھیں دوسروں کو عطیات الٰہی سے متمتع ہونے سے نہ روکیں۔ہاں دوسروں کو نقصان دئے بغیر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشش کریں۔یورپ نے مساوات کا سبق تو سیکھا۔لیکن اس جمہوریت کو اول یورپ کے اندر اور پھر ہر ایک یورپین قوم نے اپنے اپنے ملک اور حلقہ میں اُسکی عزت اور پاسداری کی لیکن باقیوں کو اس کا اہل نہ سمجھا۔اس کا لازمی نتیجہ یہ جنگ ہوا۔یورپ اگر مساوات کا سبق توحید کے مسئلہ کے ماتحت سیکھتا۔تو یہ روز بد دنیا کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔کیونکہ اگر وہ سچا موحد بن کر غیر یورپین اقوام کو اپنے برابر سمجھتا۔ان کے تمام حقوق زندگی کی عزت کرتا۔پھر اسی طرح اگر جرمنی والے فرانسیسیوں کو اور فرانسیسی جرمنوں کو ایک ہی خدا کی مخلوق یکساں زندگی کے حقوق کے مالک خدا کے عطیوں سے متمتع ہونیمیں ایک دوسرے کے برابر سمجھتے۔تو یہ آتش ہلاکت یورپ کو اس بے رحمی سے نہ جلاتی۔وہ مقدس

جمہوریت جو انسان توحید قرآنی کی ماتحت سیکھتا ہے۔ اس سے تو وہ کل اقوام عالم میں مساوات کا لحاظ رکھنے پر مامور ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو ایک اور طریق پر سمجھانے کے لئے خدا کی آخری کتاب نے سورہ فاتحہ کا آغاز صفت رب العالمین سے کیا۔ اور ہم کو یہ سمجھایا۔ کہ وہ خدا ہر قوم اور ہر طبقہ کا یکساں طور پر رب ہے۔ وہ سب کو یکساں طور پر قایم رکھنا اور بڑھانا چاہتا ہے۔ اُس نے کل قوموں کو یکساں قوائے عطا کئے۔ اور اُن کی پرورش کے یکساں سامان مہیا کئے۔ اُسکی ربوبیت یکساں طور سے سب پر ظل رحمت پھیلائے ہوئے ہے۔ جس سے کوئی محروم نہیں۔ اور ہم پر فرض ہے۔ کہ ان عامہ اور وسیع اخلاق ربانی کی پیروی میں ہم بھی اپنی رحمت اور شفقت کا سایہ کل اقوام عالم کے لئے یکساں پھیلا دیں۔ غرض توحید الہی کی اصلی حقیقت پر انسان اس وقت کاربند ہوگا۔ جب وہ کل اقوام عالم میں مساوات کے خیالات پھیلانے اور ان میں ان خیالات کے قایم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور رنگ و ملک و قوم کے کل امتیازہ کو توڑ کر کل بنی نوع کو اپنا بھائی سمجھیگا۔ اُن کا درد اپنا درد اور اُن کی راحت میں اپنی راحت دیکھے گا۔ جس دن دنیا توحید کو اُس رنگ میں سمجھے گی۔ اُسی دن آتش فساد فرو ہو جاوے گی۔ اور امن قایم ہوگا۔ یہ اجمال اس تفصیل کا ہے کہ جس سے کل کا کل قرآن بھرا پڑا ہے۔ قرآن نے تہذیب کے یہ اصول قایم کرکے ان اصولوں کو عمل میں لانے کے مفصل قواعد اور قوانین تعلیم کئے جس پر مفصل بحث ہم آیندہ جلدمیں کریں گے ❖

اسی طرح انسانوں میں ترقی کی تحریک پیدا کرنے کا بھی یہی ایک ذریعہ ہے۔ کہ ان کے دلوں سے یہ خیال مٹا دیا جاوے۔ کہ وہ وہ نہیں ہو سکتے۔ جو بنی نوع انسان میں سے کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ یہ شرک ہے۔ یہ بت پرستی سے کہیں بڑھ چڑھ کر

خطرناک ہے۔ یہ انسان پرستی ہے۔ اور اُس قسم کی انسان پرستی ہے۔ کہ جس کو سمجھ لینا۔ ھر ایک کا کام نہیں۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ کل انسانی بلند ہمتوں، اور عالی حوصلگیوں کی بنیاد یہ ہے۔ کہ " ہرچہ انسان کند۔ کند انسان " کا زریں اصول آٹھوں پہر ہمارے سامنے ہے جس وقت ہم نے اس اصول کے خلاف قیاس کیا۔ ہم ایک رنگ میں مشرک ہو گئے۔ اور تمام ترقی و تہذیب کا دروازہ بند ہو گیا۔ اسی توحید کو ہمارے دل میں بٹھلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو یہ اعلان کرنے کے لئے فرمایا:-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ○ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یعنی اے محمدؐ (صلعم) انسانوں کو اطلاع دے۔ کہ مَیں تم جیسا ایک بشر ہوں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے توحید آلہی کا سبق سکھلانے کے لئے تم میں سے چنا ہے۔ اور مجھے وحی کی ہے۔ کہ وہ ایک ہی ہے جس کا ہمتا دوسرا نہیں۔ باقی کوئی بھی نہیں۔ کہ جس کا ہمتا دوسرا نہ ہو سکے۔ محمدؐ جیسا عظیم الشان رسول محمدؐ جیسا کامیابی میں بیعدیل انسان۔ محمدؐ جیسا کمال انسانی کا مظہر اتم۔ اور پھر توحید کا اصل راز کھولنے کے لئے خدا کی طرف سے یہ کہنے کا حکم پاوے۔ کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ میں تم جیسا ایک بشر ہوں۔ یہ اس لئے کہ ایک کامل توحید کے پرستار پر حقیقت توحید منکشف ہو۔ اس کا حوصلہ بلند ہو۔ اس کا نصب العین اعلیٰ ہو۔ وہ وہ کرنے کے لئے تیار رہو۔ جو دنیا میں ایک رفیع مرتبہ الوالعزم انسان کر سکتا ہے۔ کسی قسم کی پست ہمتی اور کم دلی اُسکی راہ میں نہ آوے۔ اس لئے تو دوسری جگہ قرآن میں آنحضرت صلعم کے منہ سے خدا تعالیٰ نے کہلوایا۔ فاتبعونی۔ میری پیروی کرو جب آنحضرت صلعم جیسا عالی مقام انسان ہمیں وحدت بشریہ کی خوشخبری سنائے۔ تو پھر اور کون دنیا میں ہے۔ جسکو ہم اپنا مثل نہ سمجھیں جسکی برابری اور ہمپایہ ہونے کے

لئے ہم کمر ہمت نہ باندھیں۔ اس آیت بالا میں توحید کے سبق کے ساتھ محمد صلعم کی مماثلت بشریہ کا ذکر کر کے یہ سمجھایا گیا۔ کہ توحید کی پہلی بھاری غرض مساوات ہے یعنی انسان انسان کے برابر ہے۔

کائنات پر انسان کی حکومت اور مسئلہ توحید

ابھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ توحید کا دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ انسان کائنات کو اپنا خادم سمجھے۔ دنیا پر ایک زمانہ گذرا ہے۔ جب دنیا نے کائنات اور اس کے عناصر کو اپنا معبود اور مخدوم سمجھا۔ انسان نے مختلف وقتوں میں شجر۔ حجر سورج۔ چاند۔ ستارے۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ بادل وغیرہ اور سب کے بعد انسان کی پرستش کی۔ یہ ایک فطرتی بات ہے۔ کہ ہم اپنے معبود و مخدوم کو عزت اور ادب کی نگاہ

ــله اس موقعہ پر ایک خدشہ کا دفعیہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ رسالت اور نبوت کو اس مماثلت بشریہ محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ رسالت کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جیسے کہ آیت اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہٗ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انسانی کمالات حاصل کرنا۔ اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانا ہمارے اختیار میں ہے۔ لیکن اپنی رسالت کے لئے کسی انسان کا انتخاب کرنا خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اس لئے مماثلت زیر بحث کو آنحضرت صلعم کے نبی ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مماثلت تو ان کمالات کے متعلق ہے۔ جو انسانی اکتساب کا نتیجہ ہوتے ہیں جن معاملات میں ہم ایک دوسرے کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن وہبی معاملات میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کسی کا خوبصورت ہونا ایک وہبی امر ہے۔ ہم اس کے برابر تو ہیں۔ لیکن اُسکی خوبصورتی ایک وہبی عطیہ ہے۔ اس میں ہمیں مقابلہ اور بڑائی کا خیال بھی نہیں آسکتا۔ یہی حالت رسالت کی ہے۔ رسالت کیا ہے۔ انسانوں تک احکام الٰہیہ پہنچانے کے لئے کسی انسان کو خدا تعالیٰ کا منتخب کر لینا یہ کسبی امر نہیں بلکہ خالصاً وہبی ہے۔ چنانچہ اسی آیت میں مماثلت کا ذکر کر کے یُوحیٰ اِلَیَّ سے رسالت کو الگ کر دیا گیا۔ منہ

سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے عناصر پرستی کے ایام میں نہ تو عناصر سے خدمت لینے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور نہ اُن کے متعلق کسی قسم کی تحقیق کرنے کی طرف کسی کو توجہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ ایسا خیال تو لازماً ایک گناہ کبیرہ ہوگا یہی وجہ ہے۔ کہ جب تک کل کائنات اور اس کے عناصر معبود کے رنگ میں انسان پر حکمران رہے۔ انسان نے اُن کے متعلق کوئی بھی ترقی نہیں کی۔ اس قسم کی تحقیق کی طرف تو انسان اس طرف متوجہ ہوگا۔ جب انسان ان تمام چیزوں کو اپنا معبود نہیں بلکہ اپنا خادم اور نوکر سمجھیگا۔ جس طرح ایک انسان کسی دوسرے انسان کو جب اپنا خادم سمجھتا ہے تو فی الفور اُسکی مزاج شناسی اُسکی استعداد اور جوہر دریافت کرنے کی طرف مایل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موجودات عالم کے متعلق اس حقیقت کے کھلنے پر کہ موجودات عالم میرے خادم ہیں۔ طبعاً انسان قوائے عالم کی تحقیق میں لگ جاویگا۔ الغرض علوم جدیدہ اور سائنس کی ترقی کا زمانہ کسی ملک میں اس وقت شروع ہوگا جب انسان کائنات اور عناصر کائنات کی پرستش سے نکل کر اُسے اپنا غلام اور خادم سمجھنے لگ جاویگا۔ چنانچہ قرآن نے مسئلہ توحید کو تعلیم کرتے ہوئے اسی ایک بھاری غرض کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے۔

کائنات پر حکومت انسان کا راز قرآن نے کھولا

اب سوال یہ ہے۔ کہ یہ مظاہر قدرت کس زمانہ تک دنیا کے معبود بنے رہے۔ اور پھر کس کتاب نے سب سے اول شرح و بسط کے ساتھ یہ تعلیم دی۔ کہ یہ اگنی یہ وایو۔ یہ اکاشش۔ یہ سمندر۔ یہ درخت۔ یہ دریا۔ یہ سورج یہ چاند اور ستارے الغرض یہ سب کے سب تمہارے خدا نہیں۔ تمہارے غلام ہیں اور تمہاری خدمت کے لئے ہی بنائے گئے ہیں۔ جاؤ۔ وید۔ زند اوستا۔ انجیل۔ توریت بدھ کے تعلیمات۔ کنفیوشش کے وصایا۔ وغیرہ چھان مارو۔ یہ تعلیم ہرگز نہ پاؤ گے

ہاں وہ خدا کا ناطق اور خاتم الکتب الہام ہی اس روشنی کا موجب ہُوا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب تک قرآن نازل نہ ہُوا۔ زمانہ نے سائنٹفک تحقیقات کی طرف توجہ نہ کی کل حکما کی توجہ نظری علوم کی طرف لگی رہی۔ قرآن نے ان حقایق کو ذیل کی آیات میں تعلیم کیا:-

اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من
الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ وسخر لکم
الانہار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار

اے انسان دیکھ تو کن چیزوں کی پرستش میں لگ گیا۔ تو جن کو معبود بنا رہا ہے۔ وہ تو تیرے خادم اور غلام ہیں۔ پرستش کے قابل تو وہ اللہ ہے جس نے زمین آسمان کو اور جو کچھ ان میں ہے اور جنہیں تو معبود بنا رہا ہے پیدا کیا۔ کیا تو اندر کا نام لے کر اس اکاش کی پرستش کر رہا ہے۔ جہاں سے پانی اُترتا ہے۔ وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم۔ یہ پانی تو اللہ تعالیٰ تیرے لئے ہی اُتارتا ہے۔ کہ اس سے تیرے لئے مختلف پھل زمین پیدا کرے۔ جو تیرا رزق ہوں۔ تو ویدک زمانہ کے دیوتا ورنا نام کے آگے سر جھکاتا ہے۔ اور ادب سے اس پر سفر نہیں کرسکتا۔ وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر۔ ہم نے سمندر تیرا خادم کیا ہے۔ کہ تو اس کے سینہ پر جہاز رانی کرے کیا تو دریا سندھو کے شفاف پانیوں سے اسکو خدا سمجھ رہا ہے۔ اور ویدک رچھاؤں میں اس کے گیت گاتا ہے۔ اور اسی طریق پر آج گنگا مائی کے آگے جھکتا ہے۔ وسخر لکم الانہار۔ گنگا جمنا تیری دو لونڈیاں ہیں۔ کیا تو سورج اور ان کی مختلف کیفیات کو دیکھ کر اُسکو اریمان۔ پشان۔ تواشتری کہکر پکارتا ہے۔ یہ ہیں کیا۔ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین۔ یہ سورج۔ چاند تو تیرے نوکر ہیں۔ جو تیری خدمت کے لئے غلام

گردش میں چکر لگا رہے ہیں۔ ہم نے تو دن رات بھی تیرے لئے مسخر کر دیا۔ الغرض وسخر لکم ما فی السموات والارض جمیعاً۔ جو کچھ زمین آسمان میں ہے۔ وہ سب کے سب تیرے غلام ہیں۔ اور تیری خدمت کے لئے تیرے مسخر کر دئے۔ وہ تیرے معبود نہیں۔ تیرے خادم ہیں ؛

قرآنی توحید علمی تحقیق کی طرف متوجہ کرتی ہے

اس میں شک نہیں۔ کہ قرآن ان آیات میں کل دنیا جہاں کے معبودوں کو تخت الوہیت سے اُتارنے کے لئے ایک کامل توحید کا سبق سکھلاتا ہے لیکن اصل غرض تو یہ ہے۔ کہ ان آیات کا پڑھنے والا قوائے عالم کو مسخر کرنے کے لئے علمی تحقیق کی طرف متوجہ ہو جاوے۔ جس دن سے انسان یہ سمجھا کہ یہ مویشی اور چارپائے اسی کی خدمت کے لئے مامور ہیں۔ وہ ان کو مسخر کرنے اُن سے خدمت لینے اُن سے مستفید ہونے کے لئے طرح طرح کی راہیں نکالنے لگا۔ تو پھر جب ان آیات میں موجودات عالم کا ذکر کر کے ہمیں یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ یہ سب کچھ ہماری خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ تو ہمارے مسخر ہو سکتے ہیں۔ تو ہمارا یہ پہلا فرض نہیں ؟ کہ ہم اُن قواعد وضوابط سے آگاہ ہو جاویں۔ کہ جن سے یہ مظاہر قدرت ہمارے غلام ہو جاویں۔ یہی ایک خیال ان تمام تحقیقات کا موجب ہے جن کے مجموعہ کا نام سائنس یا علوم جدیدہ ہیں ؛

سائنس نام ہے اُن قواعد اور خواص کا دریافت کرنا جن سے کائنات کے قوائے فطریہ ہماری خدمت میں لگ جاویں۔ یوروپین اقوام نے علمی تحقیقات کو اختیار کر کے اپنے نتائج سے ان قرآنی آیات پر مہر صداقت لگا دی۔ انہوں نے ایک حد تک سمندروں کو دریاؤں کو ہواؤں کو بادلوں کو بجلی کو زمین وما فیہا کو اپنا مسخر کیا

مسلمانوں کو اپنے اسلام اور اپنی توحید پر ہی بڑا ناز و فخر رہا۔ وہ لفظوں کے ہی پرستار رہے۔ انہوں نے ان چیزوں کے آگے کبھی سر تو نہ جھکایا۔ لیکن ان چیزوں کے مسخر کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ آہ ہم نے مغز توحید کو نہ سمجھا۔ اور استخوان پر قناعت کی۔ کاش ہم اب بھی توحید کے اس راز کو سمجھیں۔ اور ان علوم کی تحقیقات میں لگ جاویں۔ جن سے تمام کائنات کو ہم مسخر کریں۔ ابھی تو یورپ اور امریکہ بھی اس عرفان تک نہیں پہنچا۔ جہاں ایک حقیقی موحدِ مسلمان کھڑا ہو سکتا ہے۔ ابھی سائنس کا پرواز تسخیر شمس و قمر تک نہیں پہنچا۔ لیکن قرآن تو ہمیں کہتا ہے۔ کہ یہ ہر دو ہمارے غلام ہیں ؀

موجودہ مسلمان موحدین کر حقیقت توحید سے ناآشنا ہو گئے

شرک مانع تہذیب

الغرض انسان جب ماسوا اللہ کی پرستش کرتا ہے۔ تو وہ سب علمی تحقیقاتوں سے بے بہرہ رہجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے آنے تک دنیا نے علوم مادیات میں کوئی ترقی نہ کی۔ کیونکہ اسلام کے آنے تک بالخصوص کائنات کے عناصر ہمارے خدا اور مخدوم بنے رہے۔ لیکن جب ہم ان معبودوں سے قرآن کے ذریعہ آزاد ہوئے۔ تو پھر علمی تحقیقاتیں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ یہ امر متحقق ہے۔ کہ سائنٹفک تحقیقات کی طرف پہلا قدم مسلمانوں نے اُٹھایا ؀

توحید اور تہذیب

الغرض اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید سکھلائی۔ تو اس لئے نہیں۔ کہ شرک پرستیوں سے اُس کا کوئی نقصان تھا۔ اسکی بھاری غرض تو ان اصولوں کو قایم کرنا تھا۔ کہ جو آج تہذیب کے بنیادی پتھر سمجھے گئے ہیں۔ انسان انسان میں رشتہ مساوات اور حکومتِ انسان بر کائنات یہ دو اولین باتیں ہیں جن پر آج تہذیب کی عمارت قایم کی گئی ہے۔ اور یہی دو باتیں مسئلہ توحید میں علی الخصوص سکھلائی گئیں

ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر رامچندر کو خدا بنانے سے ناراض ہوتا ہے۔ یا کسی عنصر کی پرستش سے اُس کا غصہ انسان پر بھڑک اُٹھتا ہے۔ تو اس لئے نہیں۔ کہ اُسکی سلطنت میں کوئی فرق آرہا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ انسان رامچندر کو خدا بنا کر خود رامچندر بننے سے محروم ہوگیا۔ اور عناصر کو خدا بنا کر اُنسے خدمت لینے سے محروم رہ گیا۔ اُس کا غصہ اور ناراضگی تو یہ ہے۔ کہ ہم نے اپنے ہمسر کو اپنے سے فوق الطاقت بڑا سمجھ کر ان تمام قوائے پر پانی پھیر دیا۔ جو ہم میں موجود تھے۔ اور جن کی ترقی پانے سے ہم کرشن اور رامچندر کے مقام پر پہنچ جاتے۔ دوسری طرف ہم نے عناصر کو مخدوم سمجھ کر اُن سے خدمت لینے کی جرأت نہ کی۔ اور ان علوم کے حاصل کرنے سے محروم رہ گئے۔ جن سے وہ ہمارے غلام بن جاتے۔ الغرض توحید اس لئے آئی۔ کہ انسان میں ایک طرف مساوات کے خیالات پیدا ہوں۔ دوسری طرف علوم کی طرف اسکی توجہ ہو ✤

مسیحی دعا والی آسمانی بادشاہت قرآن نے قایم کی

یہ ہے وہ توحید جو قرآن نے ہم کو سکھلائی۔ اسی توحید سے وہ آسمانی بادشاہت دنیا میں قایم ہوگئی جسکی تیاری کے لئے "جنگل میں پکارنے والے" نے آواز دی۔ یہی وہ بادشاہت ہے۔ جس کے لئے مسیح نے بالفاظ ذیل دعا کی :۔

"تیری بادشاہت آوے۔ تیری مرضی جیسے آسمان پر ہے۔ زمین پر بھی آوے" ✤

یہ دعا سُنی گئی۔ اور محمدؐ عربی علیہ الف الف صلوٰۃ و السلام دنیا میں اور اُس بادشاہت کو زمین پر لائے۔ وہ بادشاہت وہ ہے۔ کہ جس کا حکمران

رب العالمین خدا ہے۔ جسکی حکومت تلے سفید۔ کالے کی تمیز نہیں رہتی۔ اس لئے اُس آسمانی بادشاہت کا آخری فرمان اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع ہُوا۔ اُس فرمان میں مسئلۂ توحید کے ذریعہ مساوات انسان اور حکومت انسانؑ کائنات کا اعلان کیا گیا۔ آسمانی بادشاہت سے وہ بادشاہت مراد نہیں ہوسکتی۔ کہ جس میں داخل ہونے والے "سونے کے تاج سر پر رکھ کر بادلوں میں بیٹھیں گے"۔ یہ خیال ایک وہم پرستی ہے۔ اس آسمانی بادشاہت کی تعریف خود مسیح نے اگلی آیت میں کر دی ہے:۔

"تیری مرضی جیسی آسمان پر ہے زمین پر بھی آوے"

زمین پر یا انسان ہے یا دیگر موجودات عالم۔ اور دریافت یہ کرنا ہے۔ کہ اسکی مرضی انسان اور مخلوقات کے متعلق کیا ہے۔ صحیفۂ قدرت ربانی مرضی کا ایک عمدہ آئینہ ہے۔ اس سے ہمیں اسکی مرضی کا پتہ لگتا ہے۔ جو آسمان پر ہے۔ انسانوں کے متعلق اُس کی مرضی ہم اُن وسیع اخلاق ربانی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ جنکے ماتحت وہ کل انسانوں کی ربوبیّت کر رہا ہے۔ خدا کی سلطنت میں کالے گورے۔ امیر غریب سب کے سب برابر ہیں۔ وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہے۔ اُس نے سب انسانوں کو ایک ہی سازوسامان کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے۔ اُس نے کائنات کے ذخائر سب کے لئے یکساں بنائے ہیں۔ اُس نے اپنے عطیات کا دروازہ سب کے لئے برابر کھول رکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی مرضی آسمان پر انسانوں کے لئے یہ ہے۔ کہ ہر انسان دوسرے انسان کو اپنے برابر سمجھے۔ دوسری طرف صحیفہ قدرت کا ذرہ ذرہ اس بات کو بتلا رہا ہے۔ کہ اُسکی مرضی آسمان پر اس کائنات کے متعلّق کیا ہے۔ اور وہ یہی ہے۔ کہ اُس نے کُل کائنات کو انسان کے فایدہ کے لئے بنایا۔ اس لئے

اُسے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ الغرض اُسکی مرضی آسمان پر یہی ہے۔ کہ انسان انسان میں وحدت اور مساوات قایم ہو۔ اور باقی کل کائنات پر انسان کی حکومت ہو۔ وہ دن دُنیا کے لیے مبارک ہوگا۔ جب پاک جمہوریت اور مساوات کی روح کل دنیا میں پھیل کر اہل دنیا کو بھائی بھائی بنا دیگی۔ اُس دن کل جنگوں کا خاتمہ ہوگا۔ بالمقابل انسان اپنی کل ہمّت کو قوائے فطریہ کی تحقیق میں لگا کر کائنات کے کل قوائے مضمرہ کو نشو و نما میں لے آویگا۔ اور اُس منشاء ربی کو پورا کرے گا۔ کہ جس کے لیے انسان اور کائنات بنائے گئے۔ وہ دن خدا کے جلال کا دن ہوگا۔ اُس دن تمام قسم کی شرک پرستیاں دنیا سے مٹ جاوینگی۔ اُسدن کل ماسوا اللہ الوہیت کے تخت سے اُتر کر خدا کی سلطنت کا سکّہ انسان کے دل میں جما دیں گے۔ الغرض کامل توحید جسکی تعلیم قرآن لے کی۔ دنیا میں وہ ایام لاویگی جن کیلئے مسیح نے دعا کی۔ اُس دن آسمان کی بادشاہت قایم ہو جاوے گی۔ اور خدا کی مرضی زمین پر وہی ہوگی۔ جو آسمان پر ہے*

ہاں مسیح کو وہ اصُول نہ دیے گئے۔ کہ جن پر چل کر آسمانی بادشاہت زمین پر قایم ہوتی۔ اُس کے حوالی موالی اس قابل نہ تھے۔ اس لئے اُسے خاموش ہی ہونا پڑا۔ اگر جناب مسیح کے ساتھ وہ آسمانی بادشاہت آجاتی۔ تو وہ کیوں اُس سلطنت کے آنے کے لئے دعا کرتا۔ یوحنا کا اس سلطنت کی تیاری کے لئے لوگوں کو آواز دینا۔ اور مسیح کا اُس سلطنت کے آنے کے لئے متمنی ہونا اس بات کی صاف شہادت ہے۔ کہ وُہ سلطنت مسیح کے ساتھ نہیں آئی۔ بلکہ بعد میں آنے والی تھی۔ اُس کا آنا دراصل اُن اصولوں کی تعلیم تھی۔ کہ جن پر چل کر انسان بانی مرضی کا مظہر ہو جاتا۔ ان اعلیٰ صداقتوں کا سکھلانے والا احمدؐ اور محمدؐ ہی تھا وہی فارقلیط تھا۔ جس کے معنے احمد ہیں۔ اور اسی

لئے مسیح نے کہا۔ یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ۔ وہاں وہ محمدؐ آیا۔ اور آسمانی بادشاہت کو ساتھ لایا۔ اس لئے جہاں مسیح نے یہ کہا:۔

"تیری بادشاہت آوے"

وہاں اُس نے کہا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی اُس نے اُس بادشاہت کے آجانے پر الحمد پڑھا۔ کہ جس کا ظہور رب العالمین کی ربوبیت تلے ہونا تھا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

از نورِ پاک قرآں صبح صفا دمیدہ
بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ

این روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد
ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ

از مشرقِ معانی صدہا دقایق آورد
قدِ ہلال نازک زاں نازکی خمیدہ

کیفیت علومش دانی چہ شان دارد
شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ

آن نیر صداقت چوں رو بعالم آورد
ہر بوم شب پرستی در کنج خود خزیدہ

روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا
الّا کسیکہ باشد با رویش آرمیدہ

آنکس کہ عالمش شد شد مخزن معارف
و آن بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ

باران فضل رحمان آمد بمقدم او
بدقسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویدہ

اے کان دلربائی دانم کہ از کجائی
تو نورِ آن خدائی کیں خلق آفریدہ

میلم نماند باکس محبوب من توئی بس
زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

براہین نیرہ جلد اوّل ختم شد

بقلم احقر العباد منشی محمد الدین کلیمی المخاطب معجز نگار چاک کھینچی مالک کلیم کھوکھر بخشی لاہور

اسلامک ریویو مجریہ لنڈن قیمت عہ سالانہ

اور

اس کا اردو[ہ] ترجمہ مجریہ لاہور قیمت ے سالانہ

اڈیٹر:- خواجہ کمال الدین صاحب و مولوی صدر الدین صاحب

مسلم پبلک میں اسلامک ریویو کسی معرف کرانے کا محتاج نہیں۔ صرف ہم براوران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس وقت اسی کے منافع پر انگلستانی اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں۔ اس کا ہر ایک خریدار گویا بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کا خود متکفل ہوجاتا ہے۔ اگر برادران ملت کوشش کرکے انگریزی رسالہ کے پانچہزار اور اردو کے دسہزار خریدار پیدا کردیں۔ تو ان کا منافعہ ہی ہمارے ووکنگ اسلامی مشن کا کفیل ہوسکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ انگریزی رسالہ کئی ہزار تک بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہو۔ اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں پانچروپیہ سالانہ بھیجدے۔ تو ہم اسکی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کردینگے۔ کیا ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چندہزار بھی ہندوستان میں نہیں؟ دوستو! اٹھو! جاگو!! وقت کو غنیمت سمجھو۔ اسلامک ریویو ہی ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے۔ اور بفضلہ تعالی اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قایم کیا ہے۔ اسکو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالی سے اجر جزیل پاؤ۔

والسلام

درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

مینیجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور۔ نولکھا

ہ اردو ترجمہ کا نام "اشاعت اسلام" ہے۔

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرّہ حصّہ اوّل المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔ اردو۔ قیمت ... ۱۰/

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے ... ۱۲/

(۳) اسوہ حسنہ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" ... ۴/

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس ... انگریزی ... ۲/

مسلم پریئر ... ۴/

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدر آباد دکن ... اردو ... ۲/

بنگال کی دلجوئی۔ انگریزی۔ اردو ہر دو ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر ... مفت

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ ... //

مسلم اٹی چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی ... //

کرشن اوتار ... اردو ... //

پیغام صلح ... //

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ... جلد ۱ سنہ ۱۹۱۳ء ... انگریزی۔ قیمت ... ۵ر

// ... جلد ۲ سنہ ۱۹۱۴ء ... الغہ

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء ۸عہ

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنّفہ لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ نومسلم انگریزی ... ۱۲/

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل۔ مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے اردو۔ ۶/

حدوث مادہ ... ۴/

ملنے کا پتہ

منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں +

منیجر